سورۂ الطور

۵۲۔الطور

نام آغاز ہی میں الطور(کوہِ طور) کی قسم کھائی گئی ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''الطور'' ہے۔

زمانۂ نزول مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون رسول قیامت کے آنے اور عمل کا بدلہ دئے جانے کی جو خبر دے رہا ہے وہ لازماً پیش آنے والی حقیقت ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۱۶ میں روز جزا کو جھٹلانے والوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ کا عذاب ان پر واقع ہو کر رہے گا۔اس کا یقین پیدا کرنے کے لئے شہادتیں بھی پیش کی گئی ہیں اور عذاب کی تصویر بھی۔

آیت ۱۷ تا ۲۸ میں جھٹلانے والوں کے بالمقابل، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والوں اور احساس ذمہ داری کے ساتھ زندگی گزارنے والوں کو جس انعام واکرام سے نوازا جائے گا، اس کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

آیت ۲۹ تا ۴۷ میں معترضین کے سامنے ایسے سوالیہ نشان رکھ دئے گئے ہیں جن سے ان کے شبہات کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے۔

آیت ۴۸ اور ۴۹ سورہ کے خاتمہ کی آیتیں ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

حدیث حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں۔(لہٰذا طواف کیسے کروں) آپ نے فرمایا سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کرلو۔ چنانچہ میں نے طواف کیا۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک طرف نماز پڑھ رہے تھے جس میں سورۂ طور کی قرأت فرما رہے تھے۔(بخاری کتاب التفسیر)

سُوْرَةُ الطُّوْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝١

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢

فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧

مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ مَوْرًا ۝٩

وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠

فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝١٥

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٦

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝١٧

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝١٨

۵۲۔ سُوْرَۃُ الطُّوْر

آیات: ۴۹

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ قسم ہے اُ طور کی۔۲ ۔

۲ اور ایک ایسی کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔

۳ جھلّی کے کھلے اوراق میں۔۳ ۔

۴ اور آباد گھر کی۔۴ ۔

۵ اور بلند چھت کی۔۵ ۔

۶ اور لبریز سمندر کی۔۶ ۔

۷ کہ تمہارے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔۷ ۔

۸ کوئی اسے دفع کرنے والا نہیں۔۸ ۔

۹ جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا۔

۱۰ اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔۹ ۔

۱۱ تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

۱۲ جو بحث میں پڑے کھیل رہے ہیں۔۱۰ ۔

۱۳ جس دن انہیں جہنم کی طرف دھکے دے دے کر لے جایا جائے گا۔

۱۴ یہ ہے وہ جہنم جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۱۵ کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھ نہیں رہا ہے ؟ ۱۱ ۔

۱۶ داخل ہو جاؤ اس میں۔ اب صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے ۱۲ ۔ تمہیں وہی بدلہ میں دیا جا رہا ہے جو تم کرتے رہے۔ ۱۳ ۔

۱۷ بلاشبہ متقی ۱۴ ۔ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ ۱۵ ۔

۱۸ لطف اٹھا رہے ہوں گے ان نعمتوں کا جو ان کے رب نے انہیں بخشی ہوں گی اور ان کے رب نے انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھا ہوگا۔ ۱۶ ۔

ا۔ یہاں قسم شہادت کے معنی میں ہے۔تشریح کے لئے دیکھئے سورۃ تکویر نوٹ ۱۴۔

۲۔ مراد کوہِ طور ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور شریعت عطاء ہوئی۔

۳۔ مراد تورات ہے جس کے نسخے چمڑے کی باریک جھلی پر لکھے جاتے تھے پھر ان کے اوراق کو کھول کر پڑھا جاتا تھا۔

۴۔ مراد خانۂ کعبہ ہے جو طواف کرنے والوں اور عمرہ اور حج کرنے والوں سے معمور رہتا ہے۔بیتِ معمور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے آسمان پر ہے لیکن اس کا اطلاق مکہ کے خانۂ کعبہ پر بھی ہوتا ہے اور چونکہ یہاں اسے ایک تاریخی شہادت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اس لئے اس سے مراد مشاہدہ میں آنے والا بیتِ معمور (خانۂ کعبہ) ہی ہوسکتا ہے۔

۵۔ مراد آسمان ہے جس کی چھت نہایت بلند ہے۔

۶۔ یعنی پانی سے بھرے ہوئے سمندر کی۔

۷۔ یہ ہے وہ بات جس کی شہادت میں مذکورۂ بالا چیزیں پیش کی گئی ہیں۔پیغمبر قرآن یوم جزا سے جو باخبر کررہا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جسے شاعرانہ تخیل یا دیوانگی پر محمول کیا جائے بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انبیائی تعلیم کا لازمی جز رہی ہے اور تاریخ اس پر شاہد ہے چنانچہ کوہِ طور کی چوٹیوں سے یہی صدا بلند ہوئی تھی اور توریت کے کھلے اوراق میں یہ تعلیم موجود ہے۔اسی طرح خانۂ کعبہ جو قدیم ترین عبادت گاہ ہے اور عبادت کرنے والوں سے ہمیشہ معمور رہا ہے اس کی اساس توحید اور روز جزا کے عقیدہ ہی پر رکھی گئی تھی۔چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تعلیم کے یہ نہایت روشن پہلو تھے لہٰذا یہ آباد گھر روزِ جزا کے عقیدہ کو تسلسل کے ساتھ لوگوں تک منتقل کررہا ہے۔

یہ تو ہیں روز جزاء کی تائید میں تاریخ کے آثار۔رہا اس کا خوف تو وہ اللہ کی عظمت کے تصور ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی عظمت کا تصور آثارِ کائنات کے مشاہدہ سے قائم ہوتا ہے۔مثال کے طور پر آسمان کی وسیع چھت جس کی بلندی کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اللہ کے کمالِ قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس کے مشاہدہ سے دلوں میں اس کی عظمت قائم ہوتی ہے اسی طرح زمین پر پانی سے لبریز اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر رب العالمین کی زبردست ہیبت پیدا کرتے ہیں۔گویا اس کائنات کا پورا ماحول انسان کے لئے ایک تربیت گاہ ہے جہاں اللہ کی قدرت اور اس کی عظمت کا یقین پیدا ہوتا ہے اور اس کی ہیبت دلوں پر چھا جاتی ہے لیکن انسان ہے کہ اس تربیت گاہ میں رہ کر بھی کوئی تربیت حاصل نہیں کرتا اور خدا سے بے خوف ہوکر اور روزِ جزا سے بے پرواہ ہوکر زندگی گذارتا ہے۔

۸۔ یعنی قیامت کا واقع ہونا بالکل اٹل ہے اور کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو روز جزا کو آنے سے روک سکے۔

۹۔ پہاڑ زمین سے اکھڑ کر ہوا میں بکھر جائیں گے۔

مکان کو جب ازسرِ نو تعمیر کرنا ہوتا ہے تو پرانے مکان کی عمارت ڈھادی جاتی ہے اسی طرح اس دنیا کی توڑ پھوڑ اس لئے کی جائے گی تاکہ ایک نئی دنیا وجود میں لائی جاسکے۔ایسی دنیا جس میں انسان اس فصل کو جو اس نے دنیا میں بوئی تھی کاٹ سکے اور اپنے اعمال کا پھل پاسکے۔اسی کا نام آخرت ہے۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ زمین و آسمان ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے، وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں۔سائنسداں اس کائنات کی لمبی عمر بتاتے ہیں لیکن اس بات سے وہ انکار نہیں کرسکتے کہ کسی وقت بھی یہ کائنات ناگہانی حادثہ سے دوچار ہوسکتی ہے۔زمین پر بظاہر سکون کی کیفیت ہوتی ہے لیکن زمین کے اندر کی گیس حرکت میں آتی ہے اور زمین زلزلہ سے دوچار ہوجاتی ہے۔

۱۰۔ یعنی آخرت کے بارے میں انہوں نے طرح طرح کی بحثیں کھڑی کردی ہیں اور جنت و دوزخ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

۱۱۔ یعنی جب پیغمبر تمہارے سامنے جہنم کا نقشہ کھینچتا تھا تو تم اسے الفاظ کی جادوگری بتاتے تھے، اب دیکھ لو جہنم ایک حقیقتِ واقعہ کے طور پر موجود ہے یا نہیں؟ کیا اب بھی تمہیں اس کے جادو ہونے یا کچھ سجھائی نہ دینے کا شبہ ہو رہا ہے؟

۱۲۔ یعنی اب خاموشی کے ساتھ عذاب سہتے رہو یا چیخ پکار کرتے رہو تمہاری کوئی شنوائی نہیں ہونے والی۔

۱۳۔ یعنی جو تم نے بویا تھا وہی آج کاٹ رہے ہو۔ یہ تمہارے اعمال کے نتائج ہی ہیں جن کو تمہیں بھگتنا ہے۔

۱۴۔ جھٹلانے والوں کے مقابل متقین کا ذکر ہو رہا ہے جس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور روز جزا پر ایمان لا کر اس دن کی جوابدہی سے ڈرتے رہے اور پرہیز گاری اختیار کی۔

۱۵۔ یعنی جنت کے باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔

۱۶۔ جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھا جانا بجائے خود بہت بڑی نعمت ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی
ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد
کو بھی ان سے ملا دیں گے۔ اور ان کے اعمال
میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنی
کمائی کے بدلہ رہن (گروی) ہے۔(القرآن)

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ کھاؤاور پیومزے سے اپنے اعمال کے بدلہ میں جوتم کرتے رہے۔

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

۲۰ وہ قطار در قطار تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ۱۷؎۔ اور حسین چشم حوروں سے ہم ان کا بیاہ کردیں گے۔ ۱۸؎

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد بھی ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان سے ملا دیں گے ۱۹؎۔ اور ان کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے ۲۰؎۔ ہر شخص اپنی کمائی کے بدلہ رہن (گروی) ہے۔ ۲۱؎

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲ اور وہ جس قسم کے میووں اور گوشت کی خواہش کریں گے ہم ان کو برابر دیتے رہیں گے۔ ۲۲؎

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳ وہ آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے ایسی شراب کے جام لے رہے ہوں گے جس میں نہ بیہودگی ہوگی اور نہ گناہ کی کوئی بات۔ ۲۳؎

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

۲۴ ایسے خوبصورت لڑکے ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں گے جو گویا چھپائے ہوئے موتی ہیں۔ ۲۴؎

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ یہ لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر دریافت حال کریں گے۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ کہیں گے اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔ ۲۵؎

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

۲۷ تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں جھلسا دینے والے عذاب سے بچالیا۔ ۲۶؎

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

۲۸ اس سے پہلے ہم اس کو پکارتے تھے۔ ۲۷؎ واقعی وہ بڑا ہی محسن اور رحیم ہے۔ ۲۸؎

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾

۲۹ تو (اے پیغمبر!) تم فہمائش کرو اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ دیوانے۔ ۲۹؎

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾

۳۰ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے جس کے لئے ہم گردش ایام کا انتظار کر رہے ہیں۔ ۳۰؎

۱۷۔ یعنی ان کی نشستیں ایک دوسرے کے مقابل ہوں گی تا کہ وہ باہم مذاکرہ کر سکیں۔اور یہ نشستیں نہایت آرام دہ ہوں گی۔

۱۸۔ اس کی تشریح سورۂ دخان نوٹ ۵۵ ۔ میں گزر چکی۔

۱۹۔ یہ اہل ایمان کے لئے مزید خوشخبری ہے کہ ان کی وہ اولاد جو ایمان لائی اور ان کے پیچھے چل کر اسلام کی پیروبنی ان کو جنت میں ان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور انہیں قلبی سکون حاصل ہو۔

اس الحاق (ملا دینے) کی صورت کیا ہوگی وہ جنت میں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی۔اس سلسلہ میں قیاس آرائی درست نہیں۔

رہی اہل ایمان کی نابالغ اولاد جس کا انتقال بالغ ہونے سے پہلے ہوا ہو تو حدیث میں اشارہ ملتا ہے کہ وہ جنت میں ہوگی (ملاحظہ ہو۔بخاری کتاب الجنائز باب ما قال فی اولاد المسلمین)

یہ آیت اہل ایمان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو اپنے ساتھ جنت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے اندر نورِ ایمان پیدا کرنے اور انہیں اسلام کا پیرو بنانے کی کوشش کریں۔موجودہ دور کا مسلمان اپنی اولاد کے دنیوی مستقبل کو شاندار بنانے کے لئے تو سب کچھ کر گزرتا ہے لیکن ان کی آخرت بنانے کی کوئی فکر نہیں کرتا اور کچھ لوگ اگر اپنے بچوں کو دین سکھاتے ہیں تو محض رسمی حد تک۔اور اس بات کی طرف سے بے اعتنائی برتتے ہیں کہ ان میں شعوری دینداری پیدا کی جائے اور ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ اللہ سے ڈرنے لگیں اور دین کو پوری طرح اپنا لیں۔

۲۰۔ یعنی اولاد سے ملانے کے لئے ان کے درجہ کو گھٹایا نہیں جائے گا بلکہ وہ اپنے اعمال کے مطابق جس درجہ کے مستحق ہوں گے ان کو اسی درجہ میں رکھا جائے گا۔

۲۱۔ یعنی کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ اولاد خواہ بے عمل ہی کیوں نہ ہو والدین اگر نیک ہیں تو وہ بھی ان کے طفیل جنت میں داخل ہوں گی۔نہیں بلکہ ہر شخص اپنے عمل کے لئے گروی ہے اور اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔چھٹکارا (نجات) اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔جب کہ وہ نیک اعمال کے ساتھ حاضر ہو اور نیک اعمال کے لئے ایمان لازم ہے۔اگر ایمان اور عمل صالح سے اس کی زندگی خالی رہی ہے تو قیامت کے دن وہ اپنے کو چھڑا نہ سکے گا اور جہنم کے عذاب سے نجات نہ پا سکے گا۔

۲۲۔ یعنی یہ نفیس غذائیں ہم انہیں دیتے ہی چلے جائیں گے اور جس قسم کے میوے اور گوشت وہ پسند کریں گے ان کو دیا جائے گا۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ گوشت خوری جنت میں بھی ہوگی۔

۲۳۔ یعنی بے تکلف ہو کر ایک دوسرے سے شراب خالص کے جام لیں گے جس سے ان کے باہمی انس ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے، جنت کی یہ شراب بُرے اثرات سے بالکل پاک ہوگی۔اس کو پی کر آدمی نہ تو بکواس کرے گا اور نہ گناہ کا کوئی کام۔دنیا کی شراب سے وہ بالکل مختلف ہوگی اور اس سے سرور کی وہ کیفیت پیدا ہوگی جس کا اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔

۲۴۔ یعنی جس طرح محفوظ موتی صاف اور آبدار ہوتے ہیں اسی طرح یہ لڑکے پاک صاف اور جمیل ہوں گے جو جنت والوں کے لئے انسیت کا باعث ہوں گے۔

جنت کا یہ تفصیلی نقشہ جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کے حقیقت ہونے کا یقین پیدا کرتا ہے اور یہ قرآن ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے اس وضاحت اور تفصیل کے ساتھ جنت کے احوال بیان کئے ہیں جبکہ جنت کا ایسا تفصیلی اور دل لگتا تعارف نہ بائبل پیش کرتی ہے اور نہ دوسرے مذاہب کی وہ کتابیں جو مقدس سمجھی جاتی ہیں۔

۲۵۔ یعنی آخرت کی جوابدہی سے غافل ہوکر اپنے گھر والوں کی دنیا بنانے میں نہیں لگ گئے تھے بلکہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی آخرت سنوارنے میں لگے ہوئے تھے اور محتاط زندگی گذارتے تھے کہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

۲۶۔ یعنی جہنم کے عذاب سے، جس کا جھلسادینے والا عذاب بھی بہت بڑا عذاب ہے۔

۲۷۔ یعنی اللہ کو الٰہ واحد سمجھ کر پکارتے تھے، اسی کی عبادت کرتے تھے اور اسی سے دعائیں مانگتے تھے۔

۲۸۔ جنت میں اہل ایمان اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں گے جن سے اس نے نوازا ہوگا اور ان کی احسان شناسی کی وجہ سے ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوں گے۔

۲۹۔ یہ مشرکین کے الزام کی تردید ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور دیوانہ کہتے تھے۔

تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ شعراء نوٹ ۱۸۰۔ اور سورہ حجر نوٹ ۸۔

۳۰۔ یعنی ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں اور اس شخص نے رسالت کا جو دعویٰ کیا ہے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کواس نے خود ہی گھڑ لیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام لائیں۔(القرآن)

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ؕ ﴿۳۱﴾	۳۱ (ان سے) کہوتم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔۳۱؎
اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ ﴿۳۲﴾	۳۲ کیا ان کی عقلیں ان کو ایسی باتیں سکھاتی ہیں، یا ہیں ہی یہ سرکش لوگ؟ ۳۲؎
اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۳۳﴾	۳۳ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو اس نے خود ہی گھڑ لیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ۳۳؎
فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾	۳۴ اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام لائیں۔ ۳۴؎
اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ ﴿۳۵﴾	۳۵ کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ ۳۵؎
اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ ﴿۳۶﴾	۳۶ کیا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔
اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾	۳۷ کیا تمہارے رب کے خزانے ان کے پاس ہیں یا ان پر ان کا تسلط ہے؟ ۳۶؎
اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ؕ ﴿۳۸﴾	۳۸ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ (آسمان کی باتیں) سن لیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو سننے والا واضح حجت پیش کرے۔ ۳۷؎
اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ؕ ﴿۳۹﴾	۳۹ کیا اس کے لئے بیٹیاں ہیں اور تم لوگوں کے لئے بیٹے! ۳۸؎
اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ؕ ﴿۴۰﴾	۴۰ کیا تم ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہو۔ ۳۹؎ کہ وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں؟
اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ؕ ﴿۴۱﴾	۴۱ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ لکھ رہے ہوں؟ ۴۰؎
اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ؕ ﴿۴۲﴾	۴۲ کیا یہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو کفر کرنے والے ہی اس چال میں گرفتار ہوں گے۔ ۴۱؎
اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾	۴۳ کیا اللہ کے سوا ان کے لئے کوئی اور معبود ہے؟ پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔
وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾	۴۴ یہ لوگ آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی گرتے ہوئے دیکھ لیں گے تو کہیں گے تہ بہ تہ بادل ہے۔ ۴۲؎

۳۱۔ قرآن نے یہ بات پورے وثوق اور قطعیت کے ساتھ کہی تھی کہ اگر تم اس انتظار میں ہو کہ رسول کا دنیا میں کیا انجام ہوتا ہے تو منتظر رہو اس کی صداقت ثابت ہو کر رہے گی اور جھٹلانے والے بُرے انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ اس اعلان کو چند سال ہی گزرے تھے کہ قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، رسول کو عزت اور غلبہ حاصل ہوا اور اس کو جھٹلانے والے ذلت کی موت مرے۔

۳۲۔ یعنی رسول کی شخصیت کو کاہن، مجنون اور شاعر کہہ کر جس طرح مجروح کرنے کی یہ لوگ کوشش کر رہے ہیں تو کیا واقعی ان کی عقلیں ان کو یہی باور کراتی ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کیوں کہ عقل سلیم ایسے شخص پر دیوانے کا حکم نہیں لگا سکتی جس کی زبان سے حکیمانہ کلمات ادا ہو رہے ہوں اور نہ دل لگتے حقائق کو پیش کرنے والی شخصیت کو کاہن قرار دے سکتی ہے اور نہ ہی رسول کے مشن کو جس کے ساتھ حجت قاہرہ ہوتی ہے، شاعری سے تعبیر کر سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منکرین کے یہ الزامات عقل کی غلط رہنمائی کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر کا شر ان کو یہ باتیں کہنے پر اکسا رہا ہے اور وہ اپنے غلط جذبات اور خواہشات سے مغلوب ہو کر نافرمانی اور سرکشی پر تُل گئے ہیں۔

۳۳۔ یعنی قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا ایک واضح حقیقت ہے لیکن چونکہ یہ ایمان لانا نہیں چاہتے اس لئے اس کو پیغمبر کا خود ساختہ کلام قرار دے رہے ہیں۔

آج بھی کتنے ہی لوگ قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف اس لئے قرار دیتے ہیں کہ اس کو کتاب الٰہی ماننے کی صورت میں انہیں ایمان لانا اور دین اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔

۳۴۔ یہ چیلنج تھا جو قرآن کے من گھڑت ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو دیا گیا اور اس چیلنج کو بعد میں بھی متعدد سورتوں میں دہرایا گیا لیکن اس چیلنج کا جواب نہ اس وقت کوئی دے سکا اور نہ بعد کے کسی دور میں۔ اور یہ حقیقتِ واقعہ ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی کوئی مثال اور کوئی نظیر نہ موجود ہے اور نہ پیش کی جا سکتی ہے۔ الفاظ کی نشست، آیتوں کا نظم، کلام کی روانی، اسلوب کا انوکھا پن، صوتی ہم آہنگی اور دلوں کو مسخر کرنے والا اور روح کو بیدار کرنے والا بیان اس کے معجزہ ہونے کی بین دلیل ہے۔ قرآن کی معجزانہ خصوصیات کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۳۰۔

۳۵۔ یہ بڑا چبھتا ہوا سوال ہے کہ انسان بغیر خالق کے پیدا ہو گیا ہے یا وہ خود اپنا خالق ہے؟ ظاہر ہے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ انسان کا مخلوق ہونا ایک واقعہ (Fact) ہے اور کوئی مخلوق بغیر خالق کے کس طرح وجود میں آ سکتی ہے؟ رہی دوسری صورت کہ انسان خود اپنا خالق ہو تو یہ ناقابل تصور اور خلافِ واقعہ ہے۔ جب انسان کا وجود ہی نہیں تھا تو وہ اپنا خالق کیسے بنا اور اگر انسان اپنا خالق ہے تو وہ اپنی تخلیق میں تنوع کیوں نہیں پیدا کرتا۔ کیا ایک سانچہ میں اپنے کو ڈھال دینے کے بعد اس کی قوتِ تخلیق ختم ہو گئی؟

واضح ہوا کہ تمام خدائی صفات کے ساتھ ایک خالق کا وجود ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور ہر شخص کے ضمیر کی پکار بھی۔ اسی لئے قرآن کی یہ آیتیں دلوں میں نفوذ کرتی چلی گئیں۔ بخاری میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی قرأت فرما رہے تھے جب آپ ان آیتوں پر پہنچے تو دل کی یہ کیفیت ہوئی کہ گویا وہ اڑا جا رہا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

۳۶۔ یعنی جب یہ نہ اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اور نہ ان پر ان کا حکم چلتا ہے کہ جس کو جتنا چاہیں دیں تو پھر ان کا غرور اور گھمنڈ کس بات پر ہے؟ جب وہ خدائی منصوبہ کے مطابق ہی اپنے حصہ کا رزق پا رہے ہیں تو ان میں اللہ کی ربوبیت کا احساس بیدار رہنا چاہئے۔

۳۷۔ یعنی کیا ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہے کہ وہ آسمانی دنیا کی باتیں معلوم کر سکیں۔ اگر کوئی اس کا دعویدار ہے اور اس نے عالم بالا کی باتیں سُن لی ہیں تو اس کی واضح حجت پیش کرے اور اگر ایسا نہیں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ نہیں ہے تو پھر یہ خدا، فرشتے اور مذہب کے تعلق سے جو باتیں کرتے ہیں ان کا

ماخذ کیا ہے؟

۳۸۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ صافات نوٹ ۱۳۱۔

۳۹۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ شعراء ۹۸۔

۴۰۔ یعنی کیا ان پر وحی نازل ہوتی ہے جس کو وہ تحریر میں لاکر کتاب کی شکل دے رہے ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ نہیں ہے تو پھر کس بنیاد پر وہ اس ہدایت سے بے نیاز ہو رہے ہیں جو قرآن کی صورت میں نازل ہو رہی ہے؟

۴۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ فاطر نوٹ ۸۷۔ اور سورۂ طلاق نوٹ ۱۷۔

۴۲۔ یعنی ان کی ہٹ دھرمی ایسی ہے کہ وہ کسی معجزہ پر بھی یقین کرنے والے نہیں۔ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتے ہوئے انہیں دکھایا جائے تو وہ اس کی تاویل یہ کریں گے کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے۔ یہ یقین اسی وقت کریں گے جب کہ عذاب ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔

توان کوچھوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو پہنچ
جائیں جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔
جس دن نہ ان کی کوئی چال ان کے کام آئے گی
اور نہ ان کو کوئی مدد مل سکے گی۔ (القرآن)

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾

٤٥ توان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ ٤٣؎

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾

٤٦ جس دن نہ ان کی کوئی چال ان کے کام آئے گی اور نہ ان کو کوئی مدد مل سکے گی۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾

٤٧ اور ظالموں کے لئے اس سے پہلے بھی عذاب ہے ٤٤؎۔ مگر ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾

٤٨ (اے پیغمبر!) تم صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کرو ٤٥؎۔ تم ہماری نگاہ میں ہو ٤٦؎۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو جب تم اٹھتے ہو۔ ٤٧؎

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾

٤٩ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کرو ٤٨؎۔ اور اس وقت بھی جب ستارے غروب ہوتے ہیں۔ ٤٩؎

۴۳۔ یعنی جب یہ تمہاری نصیحت سننے کیلئے تیار نہیں ہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ قیامت کے دن انہیں پتہ چلے گا جب اس ہولنا کی سے ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔

کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کا یہ حکم نصیحت کے تعلق سے ہے ورنہ جہاد کے مرحلہ میں ان کی سرکوبی ضروری ہے، چنانچہ مدنی دور میں طاقت کا جواب طاقت سے دیا گیا۔

۴۴۔ یعنی قیامت کے عذاب سے پہلے اس دنیا میں بھی عذاب ہے۔ مراد وہ عذاب جو رسول کو جھٹلانے والی قوم پر آتا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب پر اللہ کا عذاب مسلمانوں کی تلوار کے ذریعہ ٹوٹ پڑا اور وہ ذلت کی موت مر گئے۔

۴۵۔ یہ سورہ کے خاتمہ کی آیتیں ہیں اور ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے اور اللہ کی تسبیح و تمجید میں سرگرم رہنے کی ہدایت بھی۔

فیصلہ سے مراد اللہ کا وہ فیصلہ ہے جو کافروں کو سزا دینے کے لئے ظہور میں آئیگا۔

۴۶۔ یعنی اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی فرمارہا ہے لہٰذا تم ان کی چالوں کی کوئی فکر نہ کرو۔

۴۷۔ یعنی جب تم سو کر اٹھو تو اللہ کو یاد کرو اور اس کی پاکی اور اس کی حمد بیان کرو۔ اس میں اشارہ ہے تہجد کی نماز کی طرف۔

۴۸۔ اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی شامل ہیں اور رات کے اوقات میں تسبیح کے کلمات کہنا بھی، کہ یہ عبادت ہے اور اس سے دل اللہ کی طرف لگا رہتا ہے۔

۴۹۔ مراد فجر کا وقت ہے جب کہ ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں آسمان کی بزم سونی پڑ جاتی ہے۔ یہ وقت انسان کے نفس اور اس کی روح کو بیدار کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اس وقت تسبیح کا حکم دیا گیا ہے جس میں فجر کی نماز بھی شامل ہے۔

سورۃ النجم

۵۳۔ النجم

نام سورہ کا آغاز نجم (تارے) کی قسم سے ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "النجم" ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اس سورہ میں معراج کے واقعہ کا اہم ترین پہلو بیان ہوا ہے اس لئے یہ سورۂ بنی اسرائیل کے بعد ہی کی تنزیل ہو سکتی ہے یعنی ۱۲ سنہ نبوی کی۔

بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی سورہ، جس میں سجدۂ تلاوت کا حکم دیا گیا وہ سورۂ نجم ہے۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نے مسجد حرام میں اس سورہ کی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے سجدہ کیا، تو مشرکین بھی بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر) اس روایت کو من وعن تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ سورۂ اقراء اس سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی جس میں آیت سجدہ ہے۔ اور ہجرت حبشہ سے پہلے سورۂ مریم بھی نازل ہوئی تھی جس میں سجدۂ تلاوت ہے۔ غالباً حضرت عبداللہ بن مسعود کا منشاء یہ رہا ہوگا کہ سورۂ نجم وہ پہلی سورہ ہے جس کی آیتِ سجدۂ پر مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے ان کے اس بیان کو نقل کرنے میں راوی سے کچھ سہو ہوا ہے۔

ان مفسرین کی رائے سے بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے جو سورۂ نجم کو ۵ سنہ نبوی کی تنزیل بتاتے ہیں۔ ان کے بیان کا تضاد اس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک طرف تو اس سورہ کو واقعۂ معراج سے متعلق مانتے ہیں، جو ان کے نزدیک ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے۔ اور دوسری طرف سورۂ نجم کو جس میں معراج کا ذکر ہے ۵ سنہ نبوی کی تنزیل بتاتے ہیں۔

مرکزی مضمون وحی و رسالت کے سلسلہ میں ان حقیقتوں کو پیش کرنا ہے، جن سے ایمان و یقین پیدا ہوتا ہے۔ اور کہانت کے الزام کی تردید ہوتی ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۱۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان شبہات کو دور کیا گیا ہے، جو وحی کے تعلق سے منکرین پیش کرتے تھے۔ اور آپ کے عینی مشاہدات کو جو عالم بالا سے تعلق رکھتے ہیں، امر واقعہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۱۹ تا ۳۰ میں وحی الٰہی کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے اور اس کے نتیجہ میں شرک میں مبتلا ہونے اور جزا و سزا سے انکار کرنے پر گرفت کی گئی ہے، اس طور سے کہ ان عقائد کا باطل ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

آیت ۳۱ اور ۳۲ میں نیکوں کاروں کو مغفرت اور انعام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

آیت ۳۳ تا ۵۵ میں منکرین کو دعوت فکر دی گئی ہے۔

آیت ۵۶ تا ۶۲ سورہ کے خاتمہ کی آیتیں ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر ہونے کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے قیامت کے دن سے خبردار کیا گیا ہے۔ اور اللہ ہی کو سجدہ کرنے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سُوْرَۃُ النَّجْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ①
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ②
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤
ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ⑥
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ⑦
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑨
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ⑩
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

۵۳۔ سورۃ النجم

آیات: ۶۲

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ قسم ہے ۱؎ تارے کی ۲؎ جب وہ غروب ہو۔ ۳؎

۲ تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ ۴؎

۳ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔

۴ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔ ۵؎

۵ اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔ ۶؎

۶ جو بڑا توانا ہے۔ ۷؎ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ۸؎

۷ اور وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ ۹؎

۸ پھر قریب آ گیا اور معلق ہو گیا۔ ۱۰؎

۹ یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے بقدر، بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ ۱۱؎

۱۰ تب اس نے وحی کی اس کے (اللہ کے) بندہ کی طرف جو کچھ وحی کی۔ ۱۲؎

۱۱ جو کچھ اس نے دیکھا دل نے اسے جھوٹ نہ کہا۔ ۱۳؎

۱۲ تو کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جس کا وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ ۱۴؎

۱۳ اور اس نے ایک مرتبہ اور بھی اس کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ ۱۵؎

۱۴ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ ۱۶؎

۱۵ جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ ۱۷؎

۱۶ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ ۱۸؎

۱۷ نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ ۱۹؎

۱۸ اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ ۲۰؎

۱؎ قسم یہاں شہادت کے معنی میں ہے تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ تکویر نوٹ ۱۴؎ ۔

۲؎ نجم (تارہ) یہاں جنس کے معنی میں ہے اس لئے مراد تارے ہیں نہ کہ کوئی ایک تارہ۔

۳؎ تاروں کے غروب کا منظر انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ تارے جب غروب ہوتے ہیں تو آسمان کی سجی سجائی بزم برخاست ہوتی ہے اس سے ایک طرف تو ان ستاروں کے رب ہونے، ان کے قسمتوں پر اثر انداز ہونے اور دنیا کے احوال و واقعات میں ان کے دخیل ہونے کی تردید ہوتی ہے کیوں کہ جب وہ خود ایک قانون کے پابند اور ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں تو وہ رب اور متصرف کیسے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا نہ ستارہ پرستی کے لئے کوئی وجہ جواز ہے اور نہ ان اوہام کی کوئی حقیقت ہے جن کی بنا پر ستاروں کو سعد یا نحس قرار دیا جاتا ہے اور کہانت (جوتش) کا کاروبار چلا کر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ گورکھ دھندا آج بھی جاری ہے۔ چنانچہ اخبارات کے کالموں میں ''ستارے کیا کہتے ہیں'' (What Stars foretell) کے عنوان کے تحت مستقبل کا حال بتایا جاتا ہے اور جھوٹی پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں۔

دوسری طرف ستاروں کے غروب ہونے کا یہ منظر ربِ کائنات کی معرفت بخشتا ہے کہ اس کائنات پر ایک ایسی ہستی کا اقتدار ہے جس کی عظمت کے آگے سب ہیچ ہیں۔ وہ نہایت حکمت کے ساتھ اس کائنات کا انتظام فرما رہا ہے۔ کسی اور رب، الٰہ اور متصرف کا اس کائنات میں کوئی وجود نہیں۔

۴؎ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اجنبی نہیں ہیں بلکہ تمہارے ساتھ ہی انہوں نے عمر گذاری ہے اس لئے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ غلط راہ پر چلنے والے اور بہکی باتیں کرنے والے آدمی نہیں ہیں۔ ان کو تم محض اس بنا پر غلط راہ پر پڑا ہوا اور بہکا ہوا قرار دیتے ہو کہ وہ تمہیں توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور اپنے کو اللہ کے رسول کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، حالانکہ آثار کائنات سے ان باتوں کی صداقت واضح ہوتی ہے جس کی مثال ستاروں کا غروب ہونا ہے۔

واضح رہے کہ ضلالت (گمراہی) ہدایت کے مقابلہ میں اور غوایت (بہکنا) رُشد (سوجھ بوجھ) کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

۵؎ یہاں زیر بحث قرآن ہے۔ اس لئے اس کے تعلق سے ارشاد ہوا ہے کہ یہ قرآن اس شخص نے اپنی خواہش سے مرتب نہیں کیا ہے بلکہ یہ سرتا سر وحی ہے جو قرآن کی شکل میں اس پر نازل ہوئی ہے۔

اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب رسالت کا منصب ہے تو آپ کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات بھی نفسانی خواہشات کی بنا پر نہیں ہوسکتی بلکہ اس علم کی بنا پر ہی ہوسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا تھا۔

۶؎ مراد حضرت جبریل ہیں جو فرشتوں کے سردار ہیں۔ (دیکھئے سورۂ تکویر نوٹ ۲۱؎ تا ۲۳؎)۔

۷؎ یعنی حضرت جبریل اپنی خلقت میں مضبوط اور توانا ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت اور قوت بخشی ہے کہ وہ آناً فاناً آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ اور ان کے کام میں جن اور شیاطین کوئی مداخلت نہیں کر سکتے۔

۸؎ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح نمودار ہوئے کہ بالکل سیدھے کھڑے تھے تاکہ آپ ان کو اچھی طرح دیکھ لیں۔

۹؎ وہ آسمان کی بلند افق پر نمودار ہوئے تھے تاکہ آپ انہیں زیادہ روشن فضا میں دیکھ سکیں۔

۱۰؎ پھر حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور معلق ہو گئے۔ یعنی ان کو زمین پر پاؤں رکھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ فرشتہ تھے اس لئے ہوا میں کھڑے ہو گئے۔

۱۱؎ ''دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کم'' عربی کا محاورہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل نمودار تو افق پر ہوئے تھے لیکن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے اتنے قریب آگئے کہ مشکل سے دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا ہوگا۔اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت جبریل کو اپنی اصل شکل میں واضح طور سے دیکھنے کا موقع ملا۔اور اس میں شک وشبہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہی۔

واضح رہے کہ عربی میں اَو (یا) بَلْ (بلکہ) کے معنی میں بھی آتا ہے(لسان العرب ج ۱۴ ص ۵۴) اس لئے ہم نے آیت میں اَوْ کا ترجمہ بلکہ کیا ہے۔

حضرت جبریل سب سے پہلے غار حرا میں وحی لے کر نازل ہوئے تھے اور اس کے بعد بارہا آپ کے پاس وحی لے کر آتے رہے لیکن جس واقعہ کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ جبریل کو اپنی اصل شکل میں قوتِ پرواز کے ساتھ دیکھنے کا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے ۶۰۰ سو پر ہیں۔(مسلم کتاب الایمان)

۱۲۔ یعنی جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے نزدیک آکر جو وحی کرنا تھی کی۔عبدہ سے مراد اللہ کے بندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ موقع کلام سے واضح ہوا اور یہاں یہ الفاظ اسی معنی کے لئے موزوں ہیں۔

۱۳۔ یعنی جبریل کے اس عینی مشاہدہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے تصدیق کی۔آپ کو پورا یقین ہوگیا کہ یہ فرشتہ جبریل ہی ہیں جن کو وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔اس میں فریب نظر کا ادنیٰ احتمال بھی نہیں تھا۔

۱۴۔ یعنی ایک عام آدمی نہ فرشتہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور نہ اسے وحی الٰہی کا تجربہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرشتہ کا بھی مشاہدہ کراتا ہے اور اس پر وحی بھی نازل کرتا ہے اور اللہ کے رسول کی صداقت پر اس کی پوری شخصیت اور نفسِ کلام جس کی وحی کی گئی دلیل ہوتا ہے۔

۱۵۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو دوسری مرتبہ بھی اپنی اصل شکل میں دیکھا جس سے پہلے مشاہدہ کی مزید توثیق ہوگئی۔دوسری مرتبہ جبریل کو اپنی اصل شکل میں دیکھنے کا واقعہ معراج کے موقع پر پیش آیا۔

۱۶۔ ''سدرہ'' کے معنی بیری کے درخت کے ہیں اور منتہیٰ کے معنی انتہائی کے ہیں۔یعنی بیری کا وہ درخت جو اس عالم کے آخری سرے پر واقع ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ اس درخت کو آپ نے معراج کے موقع پر ساتویں آسمان پر دیکھا۔

بیری کا درخت گھنا اور سایہ دار ہوتا اور اس کے پتے خوشبودار ہوتے ہیں۔اس سے اس درخت کے بارے میں جو اس عالم کی آخری سرحد پر ہے ایک ہلکا سا تصور ذہن میں آتا ہے ورنہ عالم بالا کی چیزیں ہمارے لئے متشابہات میں سے ہیں جن کی اصلی حقیقت نہ ہمارے ذہن کی گرفت میں آسکتی ہے اور نہ اس کو معلوم کرنے کے درپے ہونا ہمارے لئے جائز ہے۔

۱۷۔ جنت الماویٰ کے معنی وہ جنت جو رہائش گاہ یعنی مؤمنوں کا ٹھکانا ہوگی چنانچہ سورۂ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی نُزُلًا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔(السجدہ:۱۹)

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے جنات الماویٰ (رہائشی باغ) ہیں۔ضیافت کے طور پر ان کے اعمال کے صلہ میں۔''

قرآن کی یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جنت آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس موجود ہے۔سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماویٰ کے ہونے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاں اس عالم کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہیں سے جنت کی سرحدیں شروع ہوجاتی ہیں اور معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی اس مقام تک ہوئی تھی۔

۱۸۔ یہ اسرارِ الٰہی تھے جو جلوہ گر ہوگئے تھے جیسا کہ آگے آیت ۱۸ سے اشارہ ملتا ہے۔اور یہ بات کہ ''چھا رہا تھا جو کچھ اس پر چھا رہا تھا'' ان اسرار

کے مہتمم بالشان ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔

۱۹۔ یعنی پیغمبر کی نگاہیں ٹھیک ٹھیک ان چیزوں پر جمی رہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں اور آپ نے ان چیزوں کو نگاہوں کی صحت کے ساتھ دیکھا۔ آپ کو نہ تو نظر کا دھوکا ہوا اور نہ نگاہیں منتشر ہوئیں بلکہ یکسوئی کے ساتھ مشاہدہ کیا۔

اس سے واضح ہوا کہ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ آپ کا عینی مشاہدہ تھا نہ کہ خواب، اور یہ معراج صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی تھی۔

۲۰۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بالا میں عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کیا جن میں حضرت جبریل کو ان کی اصل شکل میں ان کی بلند ترین پرواز کے مقام سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھنا بھی شامل ہے۔ معراج کے اس واقعہ کی تفصیل حدیثِ نبوی میں بیان ہوئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں واقعۂ اسراء (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جانے) کا مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ:

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا

''تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔'' (بنی اسرائیل: ۱)

اور یہاں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ

''بلاشبہ اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

ان نشانیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عینی مشاہدہ اس لئے کرایا گیا تاکہ آخری رسول ہونے کی حیثیت سے قیامت تک کے لئے لوگوں پر اللہ کی حجت پوری طرح قائم ہو جائے کہ رسول نے جو باتیں وحی کی بنا پر پیش کی ہیں ان میں ادنیٰ شک کے لئے بھی گنجائش نہیں ہے۔ وہ یقینی علم کی بنیاد پر ہیں اور رسول نے عالمِ بالا کا عینی مشاہدہ کیا ہے اس لئے اسرارِ کائنات پر سے وہ پردہ اٹھا رہا ہے جس سے توحید کا پہلو اور اجاگر ہو کر سامنے آ رہا ہے اور آخرت کے شواہد بھی۔ یہ وہ شخصیت ہے جس کی پہنچ ساتویں آسمان (سدرۃ المنتہیٰ) تک ہوئی اس لئے اس کے علم سے تم اپنے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا وہ اپنے اس غیر معمولی علم کی روشنی میں تمہاری جو رہنمائی کر رہا ہے اس کو قبول کرنا اپنی منزل کو پالینا ہے۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کو دیکھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کی آیتوں (نشانیوں) کو دیکھنے کا ذکر ہے، اس لئے جن حضرات کا یہ قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا وہ صحیح نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا ذکر ان آیتوں میں ضرور ہوتا کیوں کہ اتنی اہم بات سے یہ بیان کس طرح خالی ہو سکتا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی پُرزور تردید کی ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ:

''حضرت عائشہ نے مسروق سے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جو اس کا قائل ہوا اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق کہتے ہیں میں نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) جو شخص یہ خیال کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔'' (مسلم کتاب الایمان)

أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾

وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ ﴿٢٠﴾

أَلَكُمُ ٱلذَّكَرُ وَلَهُ ٱلْأُنثَىٰ ﴿٢١﴾

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰٓ ﴿٢٢﴾

إِنْ هِىَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ
ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
ٱلْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿٢٣﴾

أَمْ لِلْإِنسَٰنِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾

فَلِلَّهِ ٱلْءَاخِرَةُ وَٱلْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغْنِى شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ
بَعْدِ أَن يَأْذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ ﴿٢٦﴾

إِنَّ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْءَاخِرَةِ لَيُسَمُّونَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ
تَسْمِيَةَ ٱلْأُنثَىٰ ﴿٢٧﴾

وَمَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ ۖ وَإِنَّ ٱلظَّنَّ
لَا يُغْنِى مِنَ ٱلْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا ٱلْحَيَوٰةَ
ٱلدُّنْيَا ﴿٢٩﴾

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن
ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ ٱهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾

وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ لِيَجْزِىَ ٱلَّذِينَ
أَسَٰٓـُٔوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَيَجْزِىَ ٱلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ بِٱلْحُسْنَى ﴿٣١﴾

[١٩] کیا تم نے لات اور عُزّٰی کو دیکھا؟

[٢٠] اور ایک اور مَنات کو جو تیسرا ہے؟ ۲۱ ؎

[٢١] کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اس کے لئے بیٹیاں؟

[٢٢] یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہوئی! ۲۲ ؎

[٢٣] یہ تو محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی ۲۳ ؎۔ یہ لوگ محض گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں ۲۴ ؎۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔ ۲۵ ؎

[٢٤] کیا انسان جس چیز کی بھی تمنا کرے وہ اسے ملے گی؟

[٢٥] دنیا اور آخرت تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ۲۶ ؎

[٢٦] آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے، جس کو چاہے وہ اور جس کے حق میں پسند کرے۔ ۲۷ ؎

[٢٧] جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کو عورتوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ۲۸ ؎

[٢٨] حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ۲۹ ؎ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی مفید نہیں۔ ۳۰ ؎

[٢٩] تو ان لوگوں کی طرف سے توجہ ہٹا دو جنہوں نے ہمارے ذکر ۳۱ ؎ کی طرف سے رخ پھیرا ہے اور جن کا مقصود صرف دنیا کی زندگی ہے۔

[٣٠] ان کے علم کی پہنچ یہیں تک ہے ۳۲ ؎۔ تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کون راہِ راست پر ہے۔

[٣١] اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے ---(اور اس نے اس لئے پیدا کیا ہے) تاکہ جن لوگوں نے بُرے کام کئے ہیں ان کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور جن لوگوں نے اچھے کام کئے ہیں ان کو اچھی جزا دے۔ ۳۳ ؎

۲۱ ۔ یہ مشرکین کے بتوں کے نام ہیں جن کو وہ پوجتے تھے ۔ قرآن نے نام لے کر شرک کے ان مظاہر پر غور کرنے کی دعوت دی تا کہ ان کا بے حقیقت ہونا واضح ہو جائے اور ان کے پرستار ہوش کے ناخن لیں ۔

یہ تینوں قریش اور دیگر قبیلوں کے بڑے بت تھے اور ان کو وہ مؤنث مانتے تھے یعنی یہ ان کی دیویاں تھیں ۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے :۔

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۔ یہ لوگ اس کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں ۔'' (نساء: ۱۱۷)

اور جیسا کہ آگے آیت ۲۱ اور ۲۶ سے واضح ہے یہ فرشتوں کے بت تھے جن کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں ۔ ان ناموں کی اصل کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے تاہم ان کی لغوی ہیئت سے اندازہ ہوتا ہے کہ :

''اللات'' ، اور لفظ الالہٰ (خدا ۔ معبود) سے کچھ حروف حذف کر کے اور ''ت'' جو مؤنث کی علامت ہے بڑھا کر بنایا گیا ہے ۔ اس لفظ کے بارے میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ یہ لفظ ''اللہ'' کا مؤنث ہے کیوں کہ یہ اسم خاص اور بے مثال ہے اور اس سے کوئی لفظ بھی مشتق (Derived) نہیں ۔ قرآن میں ہے :

هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ''کیا تمہارے علم میں اس کا ہمنام کوئی ہے؟ '' (سورہ مریم: ۶۵)

اور مشرکین عرب کے نزدیک بھی اللہ کا نام اس ہستی سے خاص تھا جو کائنات کی خالق اور معبود خلائق ہے وہ اس کے لئے دیوی بمعنی بیوی کے قائل نہیں تھے البتہ وہ فرشتوں کو اس کی بیٹیاں (دیویاں) قرار دیتے تھے ۔

''اَلۡعُزّٰی ، اَلۡاَعَزّ کا مؤنث ہے جس کے معنی ہیں بہت عزت اور غلبہ والا ۔ ان کے نزدیک نصرت اور غلبہ کی دیوی تھی جس کا انہوں نے بت بنالیا تھا ۔ جنگ اُحد میں ابوسفیان نے اسی کی جئے پکارتے ہوئے کہا تھا :

لَنَا الۡعُزّٰی وَ لَا عُزّٰی لَکُمۡ ''ہمارے لئے عُزّٰی (دیوی) ہے اور تمہارے لئے کوئی عُزّٰی نہیں ۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب اس طرح دینے کے لئے فرمایا تھا :

اَللّٰهُ مَوۡلَانَا وَ لَا مَوۡلٰی لَکُمۡ ''ہمارا مولیٰ اللہ ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۳)

المناة ۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید کے مقام پر بت تھا جس کے پاس سے مشرکین احرام باندھا کرتے تھے ۔ (بخاری کتاب التفسیر)

یہ تیسرا بہت بڑا بت تھا اور قرآن نے اس کو الثالثۃ (تیسرا) کہہ کر تثلیث (تین خداؤں) کے فاسد عقیدہ کی طرف اشارہ کیا ہے تثلیث (Trinity) کا عقیدہ نصاریٰ میں تھا چنانچہ انہوں نے باپ ، بیٹا اور روح القدس کے نام سے تین خدا بنا لئے تھے ۔ اور مشرکین عرب نے لات ، عُزّٰی اور منات کے بت نصب کر کے تین دیویوں کا عقیدہ گڑھ لیا تھا ۔

مشرکین ہند بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں ہیں بلکہ اور زیادہ عقیدہ کے فساد میں مبتلا ہیں چنانچہ ان کے ہاں تین خاص دیوتاؤں ۔ برہما ۔ وشنو اور شیو کا تصور پایا جاتا ہے جس نے تین مورتی کی شکل اختیار کر لی ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے ساتھیوں کو بھیج کر لات ، عزّیٰ اور مناۃ ان تینوں بتوں کو تڑوادیا تھا یہاں تک کہ ان کا نشان بھی باقی نہیں رہا ۔ ان بتوں کے اندر اگر واقعی دیویوں کا وجود تھا تو وہ اپنا بچاؤ کیوں نہیں کر سکے؟

۲۲ ۔ یعنی اول تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا ایک خلاف واقعہ بات ہے ۔ دوسرے اس کی نامعقولیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ تم جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اسی کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو ۔ تم اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہو اور جب کوئی لڑکی تمہارے یہاں پیدا ہو جاتی ہے تو تم اپنے

لئے اسے باعثِ عار سمجھنے لگتے ہو لیکن اللہ کے لئے اس بات کے قائل ہو کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور لات، عزّیٰ اور منات کے مؤنث نام سے ان کی مورتیاں بنالی ہیں۔ یہ ایسی بھونڈی بات ہے کہ ہر معقول آدمی اس کو محسوس کرسکتا ہے۔

۲۳۔ یعنی یہ محض نام ہی نام ہیں ان کا کوئی مسمّیٰ موجود نہیں ہے۔ یہ بُت حقیقۃً دیویاں نہیں ہیں۔ ان کے اندر خدائی کی کوئی صفت بھی موجود نہیں ہے پھر ان کو معبود بنانے کا کیا مطلب؟

مشرکین ہند نے بھی بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیاں بنالی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو پوجنے سے وہ خوش ہوجاتے ہیں اور ان کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، مگر حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ یہ محض فرضی نام ہیں جن کو پکارا جاتا ہے۔ نہ کہیں کسی دیوتا کا وجود ہے اور نہ دیوی کا، اور نہ ان مورتیوں میں خدائی کی کوئی صفت ہے۔

۲۴۔ جو لوگ بتوں کو معبود بناتے ہیں ان کے پاس اس کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ انہیں کیسے معلوم ہوگیا کہ ان کے اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں میں خدائی کی صفات موجود ہیں؟ اور انہیں اس بات کا کیسے پتہ چلا کہ دیوی دیوتاؤں کا بھی وجود ہے؟ انسان کا اور پوری کائنات کا خالق تو اللہ ہے اور اس نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ خدا کی کسی کتاب میں اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں ہرگز اس کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا بت پرستی کے لئے کوئی علمی بنیاد نہیں ہے بلکہ یہ محض وہم و گمان کی باتیں ہیں اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں وہ اندھے ہورہے ہیں۔

عقیدہ دراصل کسی ٹھوس علمی بنیاد ہی پر ہوسکتا ہے لیکن مشرکین نے دیوی دیوتاؤں کا جو فلسفہ گھڑا ہے وہ محض وہم و گمان اور اٹکل پچو باتیں ہیں اور چونکہ اس پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے اس لئے ان کی خواہشات نے انہیں ان کا عقیدتمند بنادیا ہے۔

۲۵۔ یعنی جب ان کے رب کی طرف سے واضح ہدایت قرآن کی شکل میں آگئی ہے تو اب بت پرستی سے یہ کیوں چمٹے رہنا چاہتے ہیں؟

۲۶۔ یعنی انسان اگر تمناؤں اور آرزوؤں کی دنیا میں جینا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں اس لئے اسی سے توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں اور یہ توقعات اسی کی ہدایت کو قبول کرتے ہوئے اس سے رکھی جانی چاہئیں۔

۲۷۔ یعنی آسمانوں میں بہ کثرت فرشتے ہیں لیکن ان کی سفارش کسی کے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتی الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو سفارش کرنے کی اجازت دے اور جس کے حق میں سفارش کرنا پسند فرمائے۔

مشرکین فرشتوں کو اللہ کے حضور سفارشی سمجھتے تھے، یعنی وہ سمجھتے تھے کہ ہم اگر ان کی پرستش کریں گے تو وہ اپنے پرستاروں کے حق میں اللہ سے سفارش کریں گے کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ لہٰذا اگر آخرت برپا ہو ہی گئی تو یہ فرشتے جن کی ہم پرستش کرتے رہیں ہیں ہمیں عذاب سے نجات دلا کر رہیں گے۔ ان کے اسی باطل عقیدہ کی یہاں تردید کی گئی ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ کسی فرشتہ کا بھی اللہ کے آگے زور نہیں ہے کہ وہ اپنی بات منوا کر رہے قیامت کے دن سفارش کے لئے وہی فرشتے زبان کھول سکیں گے جن کو اجازت دی جائے گی اور ان ہی کے حق میں وہ سفارش کریں گے۔ جن کے لئے سفارش کرنا اللہ نے پسند فرمالیا ہو۔ یہ ایک استثنائی صورت ہوگی جس کا فائدہ مشرکوں اور کافروں کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ شرک ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔

شفاعت کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مریم نوٹ ۱۱۱۔

۲۸۔ جیسے لات، عزّیٰ اور منات۔ یہ سب مؤنث نام ہیں جیسا کہ سیاق کلام (Context) سے واضح ہے کہ یہ فرشتوں کے بت تھے۔

۲۹۔ یعنی ان کی یہ بات کہ فرشتے مؤنث ہیں اور دیویاں ہیں علم پر نہیں بلکہ جہالت پر مبنی ہے ۔انہیں آخر کیسے معلوم ہو گیا کہ فرشتے مؤنث ہیں اور دیویاں ہیں؟

۳۰۔ ''ظن'' عربی میں کئی معنی میں آتا ہے ۔یہاں یہ وہم کے معنی میں ہے ۔مشرکین کے خدا وہم کی پیداوار ہیں جب کہ قرآن ایک خدا کا جو عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے اور ان کا امر حق کے مقابل میں وہم گمان کو ترجیح دینا بے معنی اور بے سود بات ہے ۔
واضح ہوا کہ عقیدہ کا معاملہ نہایت اہم اور بنیادی معاملہ ہے جو علم حق پر مبنی ہونا چاہئے نہ کہ قیاس اور وہم وگمان پر ۔اور علم حق کے حصول کا ذریعہ وحی الٰہی (قرآن) ہے ۔مگر مسلمانوں کے مختلف فرقوں نے عقیدہ کے معاملہ میں بھی ضعیف اور موضوع (گھڑی ہوئی) حدیثوں کا سہارا لیا اور ان کے مطابق قرآن کی آیتوں کی تاویل کرتے ہیں اس طرح شرک نے قبر پرستی اور اولیاء پرستی کی شکل میں مسلمانوں کے اندر راہ پالی ہے ۔اگر وہ عقیدہ کے معاملہ میں قرآن پر انحصار کرتے جس کی ہر بات قطعی ہے ،اور ان کمزور روایتوں کو جو اس سے مطابقت نہیں رکھتیں رد کر دیتے تو شرک میں ملوث نہ ہوتے کیوں کہ قرآن میں عقائد بڑے واضح انداز میں بیان کئے گئے اور خود قرآن نے ان کو ''بیّنات'' سے تعبیر کیا ہے ۔

۳۱۔ مراد قرآن ہے ۔

۳۲۔ یعنی وہ نہیں جانتے کہ دنیا کے بعد آخرت بھی ہے انہوں نے دنیا کے خول میں اپنے کو ایسا بند کر لیا ہے کہ وہ ایک دوسرے عالم کا جہاں اعمال کے نتائج رونما ہوں گے تصور بھی نہیں کر پاتے ۔عالم آخرت کی جو جھلک قرآن انہیں دکھا رہا ہے اس کو دیکھنے سے ان کی کوتاہ بین نگاہیں قاصر ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی بڑے بڑے سائنس داں اور جدید علوم کے ماہرین آخرت کے بارے میں بالکل کورے ثابت ہو رہے ہیں ۔

۳۳۔ یعنی اس نے اس کائنات کو جس کا وہ تنہا مالک ہے اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ اس کی صفتِ عدل اور صفتِ رحمت کا ظہور ہو لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جب انسان اپنے کئے کا پھل پائے ۔

الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ
فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ ع

۳۲ جو بڑے بڑے گناہوں ۳۴؎ اور کھلی بے حیائی کے کاموں ۳۵؎ سے بچتے ہیں الّا یہ کہ کچھ قصور ان سے سرزد ہو جائے ۳۶؎۔ بلاشبہ تمہارے رب کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے ۳۷؎۔ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ۳۸؎ اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین (بچہ) تھے ۳۹؎۔ تو اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ۔ وہی بہتر جانتا ہے کون متقی ہے۔ ۴۰؎

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾

۳۳ کیا تم نے اس کو دیکھا جس نے منہ موڑا۔ ۴۱؎

وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾

۳۴ اور تھوڑا سا دیا اور رک گیا۔ ۴۲؎

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾

۳۵ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ۴۳؎

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾

۳۶ کیا اسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو صحیفوں میں ہے موسیٰ کے۔ ۴۴؎

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾

۳۷ اور ابراہیم کے ۴۵؎ جس نے اپنا قول پورا کر دکھایا۔ ۴۶؎

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

۳۸ (صحیفوں کی) یہ بات کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ۴۷؎

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

۳۹ اور یہ کہ انسان کیلئے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔ ۴۸؎

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾

۴۰ اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ ۴۹؎

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

۴۱ پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

۴۲ اور یہ کہ آخر کار پہنچنا تمہارے رب ہی کے پاس ہے۔ ۵۰؎

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾

۴۳ اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے۔ ۵۱؎

وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾

۴۴ اور وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ ۵۲؎

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾

۴۵ اور وہی ہے جس نے مرد اور عورت کا جوڑا پیدا کیا۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾

۴۶ ایک بوند سے جب وہ ڈالی جاتی ہے۔ ۵۳؎

وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾

۴۷ اور یہ کہ دوسری مرتبہ پیدا کرنا بھی اسی کے ذمہ ہے۔ ۵۴؎

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾

۴۸ اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال بخشا۔ ۵۵؎

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

۴۹ اور یہ کہ وہی شِعریٰ (تارے) کا رب ہے۔ ۵۶؎

۳۴۔ کبائر (بڑے بڑے گناہ) کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۷۹۔

۳۵۔ فواحش (بے حیائی کی باتوں) کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۲۷۷۔

۳۶۔ اصل میں لَمَم لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی گناہ سے قریب ہونے کے ہیں۔لسان العرب میں ہے:

وَاللَّمَمُ:۔مقاربۃ الذنب: ''لمم یعنی گناہ سے قریب ہونا۔(لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۴۹)

مراد لغزشیں اور چھوٹے چھوٹے قصور ہیں جو نادانستہ یا جذبات کے غلبہ سے سرزد ہو جائیں۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والے جن کو اللہ اچھی جزا دے گا وہ لوگ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں میں ملوث نہیں ہوتے بلکہ اپنے دامن کو ان گناہوں سے پاک رکھتے ہیں۔یہ تو ممکن ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گناہ کے کچھ چھینٹے ان پر پڑ جائیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ گناہوں کی گندگی میں لت پت ہو جائیں۔

۳۷۔ یعنی بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچنے والوں سے جو چھوٹے چھوٹے قصور سرزد ہوئے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ سخت معاملہ نہیں کرے گا بلکہ ان کو اپنے دامنِ مغفرت میں لے گا کہ اس کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے۔یہ متقیوں کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و سنت میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ یہ اور یہ گناہ چھوٹے (صغیرہ) ہیں الا یہ کہ کہیں کوئی اشارہ نکلتا ہو۔اور اس کی صراحت نہ کرنا ہی حکمت کا تقاضا تھا ورنہ لوگ ان کو ہلکا سمجھ کر ان کا ارتکاب کرنے لگتے۔لہٰذا صغیرہ گناہوں کی بحث میں پڑنا اور ان کی تعین کرنا غیر حکیمانہ بات ہے۔

۳۸۔ یعنی مٹی سے پیدا کیا؟ تورات میں بھی اس کا ذکر ہے:

''اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔'' (پیدائش ۲:۷)

۳۹۔ یعنی جب تم ماؤں کے پیٹ میں زندگی کی ابتدائی حالت میں تھے۔تمہیں کوئی ہوش نہیں تھا اور ایک خول میں بالکل بند تھے اس وقت تمہاری جو حالت تھی اس کو اللہ ہی جانتا تھا۔

۴۰۔ یہ تنبیہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی پاکئ داماں کی حکایت نہ بڑھائے بلکہ اپنے کو قصوروار سمجھتے ہوئے یقین رکھے کہ اللہ ہی اس کے حال سے بخوبی واقف ہے۔وہ اس کے حال سے اس وقت بھی واقف تھا جب کہ مٹی سے بشر کی پیدائش کا آغاز ہوا تھا اور پھر وہ جنین (Embroy) کی شکل میں ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ خود اپنی حالت کو نہیں جانتا پھر وہ کس بنا پر اپنے بے خطا اور معصوم ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔اللہ ہی اس کے حال سے اس کی پیدائش کے وقت بھی بخوبی واقف تھا، بشریت کی کمزوریاں بھی وہ خوب جانتا ہے اور ہر ہر شخص کی ظاہری اور باطنی قلبی اور عملی حالت سے بھی وہ اچھی طرح واقف ہے لہٰذا اسے خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے اور کس درجہ کا تقویٰ اس کے اندر ہے۔

۴۱۔ یعنی قرآن اور پیغمبر کی ہدایت کو قبول کرنے سے منہ موڑا۔

۴۲۔ یعنی محتاجوں کو کچھ دیا اور پھر ہاتھ روک لیا۔یہ ایسے شخص کا کردار ہے جو اپنا مال مسکینوں پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ نہیں کرتا بلکہ کچھ ''خیرات'' کر کے چھدّا اتارنے کا کام کرتا ہے۔دل کا یہ بخل اسے ایمان لانے پر آمادہ نہیں کرتا جو قربانیوں کا طالب ہے۔

معلوم ہوا کہ بخل ایک نفسیاتی مرض ہے جو انسان کو تنگ نظری میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہ تنگ نظری قبولِ حق سے روکتی ہے۔

۴۳۔ یعنی ایسا شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر آخرت برپا ہوئی تو اس کی یہ رسمی مذہبیت اس کی نجات کا باعث ہوگی۔ایسے لوگوں کو اس بات کی دعوت دی جارہی ہے کہ وہ کھلے ذہن سے سوچیں کہ ان کا یہ دعویٰ کس بنیاد پر ہے۔کیا انہوں نے غیب میں جھانک کر دیکھا ہے کہ قیامت کے دن کامیابی کا انحصار کس

بات پر ہوگا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ سارے مذہبی دعوے کھوکھلے ہیں اور حق وہی ہے جو قرآن اور اس کا پیغمبر پیش کر رہا ہے۔ کیوں کہ پیغمبر جو کچھ پیش کر رہا ہے وہ اس وحی کی بنا پر ہے جو اللہ تعالیٰ اس پر نازل کر رہا ہے اور یہ وحی ہی ہے جو علم غیب کا ذریعہ ہے۔

۴۴ ۔ موسیٰ کے صحیفوں سے مراد تورات ہے۔

۴۵ ۔ حضرت ابراہیم کے صحیفے قدیم ترین صحیفے ہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔ ان سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان پر وحی تو ضرور نازل ہوتی رہی اور انہوں نے اپنی تعلیمات بھی اپنے پیروؤں میں چھوڑیں لیکن آیا صحیفہ کے طور پر کوئی چیز ان کو دی گئی تھی اس کا ذکر قرآن میں نہیں ملتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں ہی کو اولین حیثیت حاصل رہی ہے اس سے اہل مذاہب کے ان دعووں کی تردید ہوتی ہے جو اپنی ''مقدس کتابوں'' کو حضرت ابراہیم سے بھی پہلے کی آسمانی کتابیں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کے صحیفے تو اب باقی نہیں رہے اور نہ تورات اپنی اصلی شکل میں باقی ہے لیکن قرآن نے ان کی بنیادی تعلیمات کو اپنے اندر محفوظ کر لیا۔ آگے ان تعلیمات کا ذکر نہایت دلنشین اسلوب میں کیا گیا ہے جس کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفے ہی پڑھ رہے ہیں۔

۴۶ ۔ یعنی جو قول و قرار ابراہیم نے اپنے رب سے کیا تھا وہ اس نے بدرجۂ اتم پورا کیا ان کی بے شمار قربانیاں ان کی وفاشعاری کا ثبوت ہیں۔

۴۷ ۔ یعنی قیامت کے دن ہر شخص کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہوگا اس روز کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ جن مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں کے پیچھے چل رہے ہیں وہ اگر انہیں گمراہ کر رہے ہیں تو اس گمراہی کا وبال ان ہی پر پڑے گا اور ان کے پیروکار سزا سے بچ جائیں گے۔ نہیں بلکہ ان گمراہ پیشواؤں اور لیڈروں کے پیچھے چلنے والے اپنی گمراہی کے ذمہ دار ہوں گے اور اس کی سزا پائیں گے۔ کیوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں بھی دی تھیں، عقل بھی دی تھی اور ان پر ہدایت کی راہ بھی واضح کر دی تھی پھر وہ کیوں اندھے بن کر گمراہی کی طرف بلانے والوں کے پیچھے چلتے رہے۔

۴۸ ۔ یہ آیت اس بارے میں قاطع (قطعی ثبوت) ہے کہ انسان کو اسی عمل کی جزا ملے گی جو اس نے کیا ہوگا۔ کسی دوسرے کے عمل کی جزا وہ نہیں پاسکتا ۔ثواب اس شخص کو ملے گا جس نے نیک عمل کیا ہوگا اور اس کے اثرات جہاں تک بھی پہنچیں گے ان سب پر وہ اجر کا مستحق ہوگا چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا

''جو اچھی بات کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے ایک حصہ پائے گا۔'' (نساء: ۸۵)

اور حدیث میں آتا ہے: مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔

''جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اسے ان لوگوں کی طرح اجر ملے گا جو اس کی اتباع کریں گے۔ ان کے اجر میں کسی کمی کے بغیر۔''

(مسلم کتاب العلم)

اور ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:۔

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔

''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے بجز تین چیزوں کے ایک صدقۂ جاریہ دوسرے علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور تیسرے نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔'' (مسلم کتاب الوصیۃ)

یہ تینوں چیزیں وہ ہیں جن میں انسان کے اپنے عمل کا دخل ہے۔ صدقۂ جاریہ اس کا اپنا عمل ہے۔ علمی خدمات جن سے لوگ اس کے مرنے کے بعد

فائدہ اٹھائیں اسی کی کوششوں کے اثرات ہیں اور نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی ہے اسی کی تربیت یافتہ ہے۔ بصورت دیگر وہ کیوں اجر کا مستحق ہوگا۔

قرآن کی اس اصولی تعلیم کے باوجود جو بینات میں سے ہے اور جس کے سلسلہ میں ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، مسلمانوں میں ایصالِ ثواب کی رسم جو سراسر اصولی تعلیم کے خلاف ہے چل پڑی ہے اور دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنے نیک عمل کا ثواب کسی مسلمان کو بخش سکتا ہے مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیوں کہ نہ قرآن میں ایسی کوئی بات کہی گئی ہے اور نہ حدیث میں۔ جن حدیثوں سے استدلال کیا جاتا ہے ان سے ایصال ثواب ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مرنے والے کے وارثوں کو ایسے کام کی تکمیل کی اجازت دی گئی جس میں اس کی نیت اور عمل کا دخل تھا مثلاً وصیت، نذر وغیرہ۔ یہ ایصال ثواب نہیں بلکہ نیابت یا وکالت ہے اس شخص کی طرف سے جو ایک فریضہ کو ادا کرنے سے معذور رہا۔ ورنہ اگر ثواب کی منتقلی کو مطلقاً جائز قرار دیا جائے تو پھر زندوں کے لئے بھی ایصال ثواب جائز قرار پائے گا۔

تعجب ہے کہ صاحبِ تفہیم القرآن نے بھی ایصال ثواب کے سلسلہ میں متضاد باتیں کہی ہیں۔ ایک طرف فاضل مفسر آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ:

''اس ارشاد سے بھی تین اہم اصول نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پا سکتا۔ الا یہ کہ اس عمل میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو۔ تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی و عمل کے بغیر کچھ نہیں پا سکتا۔'' (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۱۵)

اور دوسری طرف وہ چند حدیثوں کو استدلال میں پیش کر کے ایصال ثواب کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ہم طوالت کے خوف سے بچتے ہوئے یہاں مختصراً ان کی پیش کردہ احادیث کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱) بخاری، مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے لے کر ایک اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کیا اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔ مگر اس میں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کیوں کہ پوری امت کی طرف سے مینڈھا قربان کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھا اور امت کے ولی ہونے کی حیثیت سے آپ نے یہ قربانی پیش کی تھی جو زندوں کی طرف سے بھی تھی اور آئندہ پیدا ہونے والے افرادِ امت کی طرف سے بھی۔ اگر اس کو ایصال ثواب کے لئے دلیل بنایا جائے تو پھر لاتعداد زندہ اور مردہ نیز آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں کی طرف سے ایک مینڈھے کی قربانی جائز قرار پائے گی، جب کہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں۔

۲) بخاری مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کے لئے کہتیں۔ اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے لئے اجر ہے؟ فرمایا ہاں۔

اس حدیث کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ اس شخص کی ماں کو اگر موقع ملتا تو وہ اپنے مال میں سے صدقہ کرنے کی وصیت کرتیں اور چونکہ اس کا موقع نہیں ملا اس لئے اس کی نیت کو وصیت کے قائم مقام سمجھ کر صدقہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس سے جس بات کا جواز نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی کی اچانک موت واقع ہو گئی ہو اور اندازہ یہ ہو کہ اگر اسے موقع ملتا تو وہ اپنے مال میں صدقہ کرنے کی وصیت کرتا تو اس کے ورثاء اس کی طرف سے صدقہ کر سکتے ہیں کیوں کہ اس میں مرنے والے کی نیت اور اس کا چھوڑا ہوا مال دونوں شامل ہیں۔ مگر اس سے ایصال ثواب کا ثبوت نہیں ملتا۔

۳) مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ ان کے چچا ہشام بن العاص نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ ذبح کر دئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کیا کروں۔ حضور نے فرمایا اگر تمہارے باپ نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو یا صدقہ کرو وہ ان کے لئے نافع ہوگا۔

یہ حدیث بھی بشرط صحت نذر سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا مفاد یہی ہے کہ بیٹا باپ کے مرنے پر اس کی نذر کو پورا کر سکتا ہے اگر وہ توحید پر مرا تھا۔ اس

میں اول تو نذر ماننے والے کی نیت کا دخل ہے۔ دوسرے اس نذر کو وارث پورا کر رہا ہے جب کہ وہ اپنی موت کے سبب اپنی نذر کو پورا کرنے سے عاجز ہے۔ اس کا ایصال ثواب سے کیا تعلق؟ پھر یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ مسند احمد میں (ج ۲ ص ۱۸۲) یہ روایت عمرو بن شعیب سے ہے اور عمرو بن شعیب کے ثقہ ہونے کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں وہ بذات خود ثقہ ہیں لیکن جب وہ اپنے باپ اور ان کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں تو وہ لائق حجت نہیں ہوتی اور نہ متصل ہوتی ہے بلکہ ضعیف ہوتی ہے جو مرسل کے قبیل سے ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۴) اس لئے اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں۔

۴) مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت حسن بصری کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

یہ روایت حسن بصری کی ہے اور حسن بصری سعد بن عبادہ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے ہیں اس لئے درمیان کا ایک راوی چھوٹ گیا ہے لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے جو حجت نہیں بن سکتی۔ البتہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اب اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اس حدیث پر امام بخاری نے مَوْتُ الْفَجْأَةِ بَغْتَةً (اچانک موت) کا باب باندھا ہے نہ کہ ایصال ثواب کا۔ اسی طرح انہوں نے کتاب الوصایا میں باب باندھا ہے مَا يُسْتَحَبُّ لِمَنْ يُتَوَفّٰى فَجْأَةً اَنْ يَتَصَدَّقُوا عَنْهُ وَ قَضَاءِ النُّذُوْرِ عَنِ الْمَيِّتِ (جس کا اچانک انتقال ہو گیا ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا اور میت کی طرف سے نذریں پوری کرنا مستحب ہے) اس باب کے تحت امام بخاری نے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ ایک تو وہی حضرت عائشہ کی حدیث ہے جس کا ذکر اوپر ہوا اور دوسری ابن عباس سے کہ ''سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے ذمہ نذر ہے۔ آپ نے فرمایا تم اس کی طرف سے نذر پوری کرو''۔ غور طلب بات یہ ہے کہ امام بخاری نے ان حدیثوں پر ایصال ثواب کا باب نہیں باندھا بلکہ میت کی طرف سے نذر وغیرہ پوری کرنے کا باب باندھا۔ مختصر یہ کہ ان حدیثوں کو ایصال ثواب کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۵) دارقطنی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا جس شخص کا قبرستان پر گزر ہوا اور وہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا۔

یہ حدیث دارقطنی میں راقم سطور کو کہیں نہیں ملی اور علامہ ناصر الدین البانی نے بھی سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ میں حافظ سخاوی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

''دارقطنی کی سنن میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔''

علامہ البانی کہتے ہیں کہ دیلمی اور ابو یعلی نے اسے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔ اس کا ایک راوی عبداللہ بن احمد بن عامر ہے جس کے بارے میں ''میزان الاعتدال'' میں ہے کہ وہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ سیوطی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے اور حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی عبداللہ اور اس کے والد دونوں جھوٹے ہیں، اور اگر اس حدیث کی کوئی اصل ہوتی تو وہ اس اختلافی مسئلہ میں حجت ہوتی اور اختلاف باقی نہ رہتا۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی ج ۳ ص ۴۵۲)

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے مولانا مودودی کی، انہوں نے ایصالِ ثواب کو ثابت کرنے کے لئے ایک موضوع حدیث اپنی تفسیر میں نقل کی اور اس کی صحت کے بارے میں تحقیق کرنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ ایصال ثواب کے بارے میں انہوں نے سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا تھا:

''بہر حال یہ ممکن نہیں ہے کہ جس بھلائی یا جس برائی میں آدمی کی نیت اور سعی و عمل کا کوئی حصہ نہ ہو اس کی جزا یا سزا اسے مل جائے۔ مکافاتِ عمل کوئی قابلِ انتقال چیز نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۲۴) لیکن سورہ نجم کی تفسیر میں انہوں نے بڑی فراخی سے ایصال ثواب کو جائز قرار دیا۔

ایصال ثواب کی ایک شکل ''قرآن خوانی'' ہے جس کا رواج آج کل عام ہے۔ قرآن کا فہم حاصل کرنے اور اس کی تذکیر و ہدایت سے فائدہ اٹھانے سے مسلمانوں کو اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی کہ قرآن خوانی کی مجلس منعقد کر کے مُردوں کو بخشوانے سے ہے۔ کاش کہ وہ اس رسمی دینداری کو چھوڑ کر اسلام کی مخلصانہ پیروی کرتے!

''ایصال ثواب'' پر مزید بحث کیلئے دیکھئے سورۂ حم السجدہ نوٹ ۱۷۔

۴۹۔ انسان کے لئے ممکن ہو گیا ہے کہ وہ اپنی یا کسی اور کی حرکات و سکنات کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کرلے اور پھر اسے دیکھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو اس سے زیادہ اعلیٰ طریقہ پر ہر شخص کی حرکات و سکنات کو فلمانے کا اہتمام کیا ہوگا اور قیامت کے دن ضرور اس کے اعمال کی جانچ ہوگی۔

۵۰۔ یعنی انسان کی آخری منزل اللہ کے حضور پہنچنا ہے اس لئے انسان کو اسی کی فکر کرنی چاہئے۔ اس سے اس مشرکانہ عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ انسان مرنے کے بعد اللہ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے اندر کوئی چیز جا ملے۔

۵۱۔ اللہ تعالیٰ نے حیوان کے مقابلہ میں انسان کو یہ امتیاز بخشا کہ وہ ہنستا بھی ہے اور روتا بھی ہے۔ وہ ایک باشعور مخلوق ہے اس لئے جب وہ خوش ہوتا ہے تو ہنسنے لگتا ہے اور جب وہ غمزدہ ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ یہ شعور اللہ ہی کا بخشا ہوا ہے کسی اور کا نہیں۔ مگر دیوی دیوتاؤں کو ماننے والوں کا عقیدہ بہت عجیب ہے۔ درج ذیل اقتباس سے ان کے فاسد عقیدہ کا اندازہ ہوگا:

There is a Deva for every organ for every function, for every limb and for every disease. Infact as we have said the whole of the body will be found to have been exhaustively partitioned among the Devas." (Out lines of Vednta by R. Krishna swamy Aiyar Chetna Publication Bombay. P.152)

یعنی ہر عضو، اس کے ہر عمل، ہر بازو اور بیماری کے لئے ایک الگ دیو ہے۔ اور ان دیوؤں کے درمیان پورا جسم بٹا ہوا ہے۔

سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ۔

۵۲۔ موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان ایسا بے بس ہے کہ: ع

اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

پھر وہ تکبر کس بات پر کرتا ہے!

۵۳۔ یعنی انسان صرف ایک بوند رحم میں ڈالنے کا عمل کرتا ہے اور وہ اللہ ہی ہے جو اس پانی کی حقیر بوند سے انسان جیسی اعلیٰ مخلوق پیدا کرتا ہے۔

۵۴۔ یعنی انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے لہٰذا وہ لازماً اپنے وعدہ کو پورا کرے گا۔

۵۵۔ یعنی محتاجی کی حالت سے نکالنے والا بھی وہی ہے اور مال و اسباب بخشنے والا بھی وہی۔

۵۶۔ شِعریٰ ایک سفید چمکدار ستارہ کا نام ہے جسے انگریزی میں (Sirius) کہتے ہیں۔ ستارہ پرست قومیں اپنی بدعقیدگی کی بنا پر اس کی پرستش کرتی چلی آرہی تھیں اور عرب کے بعض مشرک قبیلے بھی اس کی پرستش کرتے تھے اس لئے قرآن نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا کہ یہ ستارہ رب نہیں ہے کہ اسے معبود بنا لیا جائے بلکہ اس کا رب بھی اللہ ہی ہے اور وہی سب کا حقیقی معبود ہے۔ موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں یہی حقیقت بیان کی گئی تھی۔

وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨ الۡاُوۡلٰى ۙ﴿۵۰﴾

وَثَمُوۡدَاۡ فَمَاۤ اَبۡقٰى ۙ﴿۵۱﴾

وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ
وَاَطۡغٰى ؕ﴿۵۲﴾

وَالۡمُؤۡتَفِكَةَ اَهۡوٰى ۙ﴿۵۳﴾

فَغَشّٰٮهَا مَا غَشّٰى ۚ﴿۵۴﴾

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

هٰذَا نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى ﴿۵۶﴾

اَزِفَتِ الۡاٰزِفَةُ ۚ﴿۵۷﴾

لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ؕ﴿۵۸﴾

اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ ۙ﴿۵۹﴾

وَتَضۡحَكُوۡنَ وَلَا تَبۡكُوۡنَ ۙ﴿۶۰﴾

وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ﴿۶۱﴾

فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَاعۡبُدُوۡا ۩ ﴿۶۲﴾

۵۰ اور یہ کہ اسی نے اگلے عاد کو ہلاک کیا۔ ۵۷؎

۵۱ اور ثمود کو کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ ۵۸؎

۵۲ اور ان سے پہلے قومِ نوح کو ۵۹؎۔ وہ نہایت ظالم اور سرکش تھے۔

۵۳ اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی گرا دیا۔ ۶۰؎

۵۴ تو ان پر چھا دیا جو کچھ کہ چھا دیا۔ ۶۱؎

۵۵ تو اپنے رب کی کن کن نشانیوں میں تم شک کرو گے۔ ۶۲؎

۵۶ یہ خبردار کرنے والا ہے ان خبردار کرنے والوں میں سے جو پہلے آ چکے ہیں۔ ۶۳؎

۵۷ آنے والی گھڑی قریب آ لگی ہے۔ ۶۴؎

۵۸ اللہ کے سوا اس کو ظاہر کرنے والا کوئی نہیں۔ ۶۵؎

۵۹ کیا اس بات پر تم تعجب کرتے ہو۔ ۶۶؎

۶۰ ہنستے ہو اور روتے نہیں؟ ۶۷؎

۶۱ اور غفلت میں پڑے ہو۔ ۶۸؎

۶۲ تو (سُنو) اللہ کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔ ۶۹؎

۵۷۔ مراد قومِ **ھود** ہے جو عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئی۔ (تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ احقاف نوٹ ۴۰ اور ۴۱۔)

۵۸۔ ثمود کی ہلاکت کا ذکر تفصیل سے سورۂ **ھود** اور متعدد سورتوں میں ہوا ہے۔

۵۹۔ قوم نوح کی ہلاکت کا ذکر بھی سورۂ **ھود** اور دیگر متعدد سورتوں میں گذر چکا ہے۔

۶۰۔ مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں جو زلزلہ کے ذریعہ الٹ دی گئی تھیں اور زمین کے اندرونی دھماکہ نے جو لاوے کی صورت میں پھٹ پڑا تھا بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے گرادیا۔ اب یہاں سمندر ہی سمندر ہے جسے بحرمیت کہتے ہیں۔

۶۱۔ یعنی پکے ہوئے پتھروں کی بارش ہوئی۔ دیکھئے سورۂ **ھود** نوٹ ۱۱۹۔

۶۲۔ آلاء کا ترجمہ عام طور سے نعمتیں کیا جاتا ہے مگر اوپر قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا ہے اس لئے یہ ترجمہ یہاں موزوں نہیں۔ ہم نے عربی شاعری میں اس لفظ کے استعمال اور موقع کلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ ''نشانیاں'' کیا ہے۔ اس لفظ کی مزید تشریح سورۂ رحمن میں انشاء اللہ کی جائے گی۔ اس آیت پر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں کا بیان ختم ہوا۔

۶۳۔ یعنی یہ رسول بھی ان رسولوں ہی کی طرح ہے جو پہلے گزر چکے، خبردار کرنے والا ہے اور ان ''نذیروں'' کے زمرہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

۶۴۔ مراد قیامت کی گھڑی ہے جس کے بارے میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ابھی بہت دور ہے۔ نہیں بلکہ اس کا وقت قریب آلگا ہے اور وہ روز بروز قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے۔ دنیا کے موجودہ حالات تو ایسے ہیں کہ ہر طرف سے قیامت کا الارم (Alarm) سنائی دے رہا ہے۔

۶۵۔ یعنی قیامت کا ظہور اسی وقت ہوگا جب کہ اللہ اس کو وقوع میں لانا چاہے۔ اس کے سوا کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس کو ظہور میں لائے۔

۶۶۔ یعنی قیامت کے واقع ہونے پر تمہیں تعجب ہورہا ہے۔ تعجب تو اس کا انکار کرنے والوں پر ہونا چاہئے کیوں کہ قیامت کا واقع ہونا معقول بھی ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی۔

۶۷۔ یعنی قیامت کی خبر سن کر تم ہنسی دل لگی کرتے ہو حالانکہ تمہیں اس پر رونا چاہئے کہ معلوم نہیں اس روز تمہاری کیا حالت ہوگی۔

قرآن دلوں میں رقت پیدا کرتا ہے، اور خاص طور سے وہ قیامت کے جن ہولناک حالات سے آگاہ کرتا ہے ان پر اگر انسان کان دھرے تو اس کے اندر ایک اضطراب پیدا ہو اور اپنی نجات کی فکر میں اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجائیں۔

۶۸۔ یعنی تمہاری غفلت کی بھی انتہا ہے کہ دلوں کو لرزا دینے والی باتوں کو سن کر بھی تم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

۶۹۔ یعنی ہوش کے ناخن لو اور اللہ کے حضور دل سے جھکو، سجدہ ریز ہوجاؤ اور اس کی عبادت کرو صرف اسی کی عبادت۔ انجیل میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے: ''یسوع نے اسے جواب دیا، لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔'' (لوقا۔ ۴:۸)

یہ آیت سجدہ ہے اس لئے اس کی تلاوت پر سجدہ کرنا چاہئے۔ بخاری کی روایت ہے۔ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی قرأت پر سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔'' (بخاری کتاب التفسیر)

سورۂ
القمر

۵۴۔القمر

نام پہلی آیت میں قمر (چاند) کے پھٹ جانے کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'القمر' ہے۔

زمانہ نزول مکی ہے۔حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آیت **بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر** (بلکہ ان سے اصل وعدہ تو قیامت کا ہے اور قیامت بڑی سخت اور بہت کڑوی ہے۔آیت ۴۶) نازل ہوئی تو میں کم سن لڑکی تھی اور کھیل رہی تھی۔(بخاری کتاب التفسیر) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سورہ کا نزول ۵ نبوی کے لگ بھگ زمانہ میں ہوا ہوگا۔

مرکزی مضمون قیامت اور عذاب الٰہی سے خبردار کرنا اور رسول کی تکذیب کرنے والوں کو متنبہ کرنا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۵ میں کافروں کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اب جب کہ قیامت کی نشانی ظاہر ہوگئی ہے، اور وہ تاریخی واقعات بھی جن میں درسِ عبرت ہے ان کے علم میں آ چکے ہیں، تو وہ اپنے کفر پر کس طرح جمے ہوئے ہیں!

آیت ۶ تا ۸ میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ کٹر کافر اسی وقت ہوش میں آئیں گے جب قیامت ظہور میں آئے گی۔

آیت ۹ تا ۴۲ میں مختصراً ان قوموں کا انجام بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا کہ وہ کس طرح دنیا ہی میں عذاب کی لپیٹ میں آ گئیں؟

آیت ۴۳ تا ۵۳ میں قریش سے خطاب کر کے انہیں قیامت کی تلخیوں سے خبردار کیا گیا ہے۔

آیت ۵۴ اور ۵۵ سورہ کی اختتامی آیتیں ہیں جن میں متقیوں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْقَمَرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا
مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫

۵۴۔ سُوْرَةُ الْقَمَر

آیات: ۵۵

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ ۱؎

۲ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی نشانی دیکھ لیتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے جو چلا آ رہا ہے۔ ۲؎

۳ انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر معاملہ کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ ۳؎

۴ ان کے پاس ان تاریخی واقعات کی خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں جھنجھوڑنے کا کافی سامان موجود ہے۔ ۴؎

۵ نہایت مؤثر حکمت لیکن تنبیہیں ان پر کارگر نہیں ہو رہی ہیں۔ ۵؎

۶ تو ان سے رخ پھیر لو ۶؎۔ جس دن پکارنے والا انہیں ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ۷؎

۷ ان کی نگاہیں ذلت سے جھکی ہوئی ہوں گی ۸؎ اور اس طرح قبروں سے نکلیں گے کہ گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ ۹؎

۸ پکارنے والے کی طرف سہمے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے ۱۰؎۔ اس وقت کافر کہیں گے یہ بڑا کٹھن دن ہے۔ ۱۱؎

۹ ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تھا ۱۲؎۔ انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا ۱۳؎ اور کہا یہ دیوانہ ہے اور وہ جھڑک دیا گیا۔ ۱۴؎

۱۰ تو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہوں۔ اب تو ان سے انتقام لے۔ ۱۵؎

۱۱ تب ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش سے کھول دئے۔ ۱۶؎

۱۲ اور زمین پر چشمے بہادئے ۱۷؎ تو پانی اس کام کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔ ۱۸؎

ا۔ چاند کے پھٹنے کا واقعہ جو مکہ کے قریب منیٰ میں غالباً ۸ھ نبوی میں پیش آیا تھا قرآن اور احادیث صحیحہ دونوں سے ثابت ہے اور تمام مفسرین اس پر متفق ہیں۔قرآن کی یہ آیت اس بارے میں صریح ہے کہ چاند پھٹ گیا جو اس بات کی علامت ہے کہ قیامت قریب آ لگی ہے اور یہ علامت قیامت کا نشان بن کر ظاہر ہوئی ہے۔لیکن اس صریح نشانی کو دیکھ کر کافروں نے قبولِ حق سے گریز کیا اور واقعہ کی توجیہ اس طرح کی کہ یہ اس شخص (یعنی پیغمبر) کا جادو ہے جس نے ہماری نظریں باندھ دی ہیں اور یہ جادو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔

اور جہاں تک احادیث صحیحہ کا تعلق ہے بخاری، مسلم ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں بہ کثرت روایات موجود ہیں جو اس واقعہ کی صراحت کرتی ہیں۔بخاری کی حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِشْهَدُوْا۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر)

''حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ایک پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے پیچھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔'' (صحیح البخاری کتاب التفسیر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود اس کے عینی گواہ ہیں۔اس طرح اس واقعہ کو حضرت علی، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم نے بیان کیا ہے جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔دیگر صحابہ کی روایت سے بھی جو اگرچہ اس کے عینی شاہد نہیں ہیں لیکن ان کے بیان پر شبہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی رسول کو بھیجتا ہے تو ایسی علامتوں کا ظہور ہوتا ہے جو اس کی صداقت پر دلالت کرنے والی ہوتی ہیں نبی ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں آسمان پر خاص حفاظتی انتظامات اور شہاب وثاقب کی کثرت کا اہتمام ہوا جس کا ذکر سورۂ جن میں جنوں کی زبانی ہوا ہے۔

اس لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں چاند کے شق ہونے کا واقعہ ظہور میں آیا۔منکرین قیامت کو ناممکن خیال کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ کے لئے چاند کے دو ٹکڑے کر کے انہیں قیامت کی ایک جھلک دکھا دی اور یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جب چاند پھٹ سکتا ہے تو اجرام فلکی بھی درہم برہم ہو سکتے ہیں اس لئے قیامت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور چاند کے پھٹ جانے سے اس کا وقوع قریب تر ہو گیا۔معلوم ہوتا ہے قیامت کی ہولناکیوں کا آغاز بھی چاند کے گہنا جانے سے ہوگا۔سورۂ قیامۃ میں ہے:

يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ۔ (القیامۃ: ۶ تا ۸)

''انسان پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہوگا؟ تو جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گہنائے گا۔'' (القیامۃ: ۶ تا ۸)

جہاں تک چاند کی سطح کا تعلق ہے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اس پر بہ کثرت آتش فشانی گڑھے (Craters) موجود ہیں اور چاند کی سطح کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں ان سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے اس لئے عجب نہیں کہ کسی آتش فشانی دھماکہ کے نتیجہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں۔اور پھر قانونِ انجذاب (کشش) نے دونوں کو فوراً ملا دیا ہو۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ چاند کے پھٹ جانے کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ انداز میں دکھایا تھا اور جس چیز کا صدور معجزہ کے طور پر ہوتا ہے اس کی نوعیت غیر معمولی ہوتی ہے، یعنی وہ عام طبیعی قوانین کے تابع نہیں ہوتی۔مثال کے طور پر بلقیس کا تخت حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ان کے دربار میں پہنچ گیا تھا (سورۂ نمل آیت ۴۰) جبکہ اس کو فضا میں اڑتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کی

صورت کیا رہی ہوگی۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی لاٹھی سانپ بن جایا کرتی تھی۔ مگر اس سانپ نے کسی کو کاٹا نہیں البتہ جادوگروں کے طلسم کو وہ نگل گیا۔ اور سانپ کی تو ایک نسل ہوتی ہے مگر لاٹھی کے سانپ بن جانے اور اس سانپ کے پھر لاٹھی بن جانے کا واقعہ ظاہر ہے طبیعی قانون (Physical laws) سے ایک مستثنیٰ (Exceptional) صورت تھی۔ اسی طرح چاند کا پھٹ جانا غیر معمولی (خارقِ عادت) طریقہ پر ہوا تھا اس لئے نہ دنیا میں اس کا کوئی دھما کہ سنائی دیا اور نہ دنیا بھر کے لوگوں کو بروقت اس کی خبر ہوئی۔ چاند کی رفتار میں بھی کوئی فرق نہیں آیا اور نہ اس کا اثر دنیا کے طبیعی حالات پر پڑا۔ معجزاتی طور پر قیامت کی یہ نشانی ان لوگوں کو دکھانا مقصود تھی جن کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں اور کافروں دونوں نے دیکھا کہ چاند کا ایک ٹکڑا حراء پہاڑ کے اوپر ہے اور دوسرا ٹکڑا اس کے پیچھے چلا گیا ہے۔ اہل ایمان کے ایمان میں تو اس سے اضافہ ہوا لیکن کافروں نے اسے جادو قرار دیا۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ شق القمر کا معجزہ کافروں کے مطالبہ پر نہیں دکھایا گیا تھا کیونکہ قرآن نے بہ کثرت مقامات پر ان کے مطالبہ کو پورا کرنے سے انکار کیا ہے اور جواب دیا ہے کہ ایمان لانے کے لئے قرآن کا معجزہ ہی کافی ہے۔ یہ معجزہ لاٹھی کے سانپ بن جانے جیسا نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے وہ صادر ہوجاتا بلکہ اس کی نوعیت انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے مختلف تھی۔ یہ آسمانی دنیا میں واقع ہوا تھا اور مقصود قیامت کو قریب الوقوع ظاہر کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو روشن کرنا تھا۔ اس نشانی کے ظہور میں آنے اور قرآن کی ان آیتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے جن میں کافروں کے اس مطالبہ کو کہ پیغمبر کوئی معجزہ دکھائے رد کردیا گیا ہے۔

۲۔ یعنی چاند کے پھٹ جانے کی اتنی بڑی نشانی سے بھی انہوں نے کوئی سبق نہیں لیا بلکہ اس کو جادو پر محمول کیا۔

۳۔ یعنی ان کے جھٹلانے کا انجام وقت پر سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر معاملہ کے لئے، جو وہ بندوں کے ساتھ کرتا ہے وقت مقرر کر رکھا ہے لہٰذا تاخیر کو دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ دنیا اندھیر نگری ہے اور اچھے یا بُرے نتائج کبھی سامنے آنے والے نہیں ہیں۔

۴۔ یعنی ان قوموں کے بُرے انجام کی خبریں جنہوں نے سرکشی کی تھی۔ اشارہ ہے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والی قوموں کی طرف۔

۵۔ یعنی قرآن ان تباہ شدہ قوموں کے واقعات کو ایسے موثر پیرایہ میں بیان کررہا ہے کہ دل و دماغ کے دریچے کھل جائیں اور دانائی کی باتیں ان میں نفوذ کرجائیں مگر ان کی ہٹ دھرمی ایسی ہے کہ یہ حکیمانہ تنبیہیں بھی ان پر کارگر نہیں ہورہی ہیں۔ ایسے کافر تو عذاب کو دیکھ کر ہی ہوش میں آئیں گے۔

۶۔ یعنی جب وہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

۷۔ یعنی ان کو اسی وقت ہوش آئے گا جب وہ قیامت کے دن میدان حشر میں جمع ہونے کے لئے پکارنے والے فرشتہ کی پکار سنیں گے۔ میدانِ حشر میں انہیں اپنی عملی زندگی کا حساب پیش کرنا ہوگا جو ان کے لئے سخت ناگوار چیز ہوگی۔

۸۔ اپنے کفر اور بدعملی کی وجہ سے۔

۹۔ جس طرح ٹڈی دل فضا میں پھیل جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ قبروں سے ------ یعنی جہاں بھی وہ مرکھپ گئے تھے ------ نکل نکل کر ہر طرف پھیل جائیں گے۔ یہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوگا جو ہر طرف دکھائی دے گا۔

۱۰۔ پکارنے والے سے مراد فرشتہ ہے جو انہیں موقف (کھڑے ہونے کی جگہ) کی طرف بلا رہا ہوگا اور وہ سہمے ہوئے پکارنے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ آج وہ داعی حق کی پکار سننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے موقف کی طرف بلانے والے داعی کی طرف دوڑنے کے لئے مجبور ہوں گے۔

۱۱؎ قیامت کے دن ان لوگوں کو جو اس کا انکار کرتے رہے ہیں اور اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کی محسوس کریں گے کہ یہ تو بڑے کٹھن دن کا سامنا ہے۔ مگر اس وقت اس احساس کے ابھرنے کا کیا فائدہ!

۱۲؎ قومِ نوح کی سرگزشت سورۂ ھود اور دوسری متعدد سورتوں میں گزر چکی۔ یہاں مختصراً اس کے اس پہلو کو بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح اس قوم نے اللہ کے رسول کی ناقدری کی اور اس کے نتیجہ میں اسے کیسا عذاب بھگتنا پڑا۔ آگے دوسری سرکش قوموں کے واقعات بھی اسی پہلو سے مختصراً بیان ہوئے ہیں۔

۱۳؎ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کا ذکر عَبۡدَنَا (ہمارا بندہ) کے الفاظ سے کیا ہے جس سے ان کی شانِ عبودیت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے بندہ نوازی کا بھی۔

۱۴؎ یہ اس قوم کی انتہائی سرکشی تھی کہ حضرت نوح کی عظیم شخصیت کو خاطر میں نہیں لایا اور ان کو دھمکیاں دیں یہاں تک کہ انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی بھی دی گئی جس کا ذکر سورۂ شعراء آیت ۱۱۶ میں ہوا ہے۔

۱۵؎ یعنی یہ شر پر آمادہ ہوگئے ہیں اور میرے بس میں نہیں ہے کہ ان کا زور توڑ سکوں لہٰذا تو ان پر عذاب نازل کر کے میری نجات کا سامان کر۔

یہ مثال ہے اس بات کی کہ رسولوں کو بھی ایسے سنگین حالات سے گزرنا پڑا ہے کہ وہ اپنے کو مغلوب محسوس کرتے رہے ہیں لیکن اس سے نہ ان کی استقامت میں کوئی فرق آیا اور نہ ان کے حوصلے پست ہوئے بلکہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس سے نصرت کی دعا کی۔ اس میں ان مسلمانوں کے لئے رہنمائی کا سامان ہے جو کافروں کے زیر اقتدار اپنے کو مغلوبی کی حالت میں پا رہے ہوں۔

۱۶؎ یہ بلاغت کا اسلوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے بہ کثرت اور زوردار بارش ہوئی۔

۱۷؎ یعنی پانی زمین کے نیچے سے بھی ابل پڑا اور ہر طرف چشمے بہنے لگے۔

۱۸؎ یعنی پانی اس مقدار کو پہنچ گیا جو اس کام کے لئے مقرر کر دی گئی تھی۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾

۱۳ اور ہم نے اسے ایسی کشتی میں سوار کر دیا جو تختوں اور میخوں والی تھی۔ ۱۹؎

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾

۱۴ وہ ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ صلہ تھا اس شخص کے لئے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ ۲۰؎

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾

۱۵ ہم نے اس (کشتی) کو ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا ۲۱؎۔ تو ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا؟

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾

۱۶ دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

۱۷ اور ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنا دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ۲۲؎

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾

۱۸ عاد نے جھٹلایا ۲۳؎، تو دیکھو کیسا رہا میرا عذاب اور کیسی رہیں میری تنبیہیں!

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾

۱۹ ہم نے ایک مسلسل نحوست کے دن ۲۴؎، ان پر تند ہوا بھیج دی۔

تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾

۲۰ جو لوگوں کو اکھاڑ کر اس طرح پھینک رہی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجور کے تنے ہیں۔ ۲۵؎

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾

۲۱ تو دیکھو کیسا رہا میرا عذاب اور کیسی رہیں میری تنبیہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

۲۲ اور ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنا دیا تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾

۲۳ ثمود نے بھی تنبیہوں کو جھٹلایا۔ ۲۶؎

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾

۲۴ کہنے لگے کیا ہم ایک بشر کی پیروی کریں گے جو ہم ہی میں سے ہے؟ اگر ہم نے ایسا کیا تم ہم غلط راہ پر جا پڑے اور دیوانگی میں مبتلا ہوئے۔ ۲۷؎

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾

۲۵ کیا ہمارے اندر سے اسی پر ذکر (نصیحت) نازل کیا گیا؟ ۲۸؎ نہیں بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور گھمنڈی ہے۔ ۲۹؎

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾

۲۶ کل انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون بڑا جھوٹا اور گھمنڈی ہے۔ ۳۰؎

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾

۲۷ ہم اونٹنی کو ان کیلئے آزمائش بنا کر بھیج رہے ہیں ۳۱؎۔ تو ان کو دیکھتے رہو اور صبر کرو۔

۱۹۔ یعنی یہ کشتی بہت سادہ تھی لکڑوں اور میخوں سے بنی ہوئی جس کا اس زبردست طوفان میں سلامت رہنا مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کو حضرت نوح کے لئے ذریعہ نجات بنایا۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی مدد ہے نہ کہ ظاہری اسباب۔

۲۰۔ یعنی کافروں نے نوح کی ناقدری کی تھی حالانکہ وہ اللہ کے رسول اور نہایت معزز شخصیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جزا دی کہ جہاں ان کی کافر قوم ڈوب رہی تھی وہاں ان کی کشتی سفینۂ نجات بن گئی۔

۲۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ عنکبوت نوٹ ۲۶۔

۲۲۔ قرآن لفظاً لفظاً کلام الٰہی ہے جس میں معنی کی گہرائی بھی ہے اور حکمت کے گوہر نایاب بھی، وہ اسرارِ کائنات پر سے بھی پردہ اٹھاتا ہے اور انسانی فطرت کے رموز کو بھی آشکارا کرتا ہے، وہ مکمل ہدایت کی کتاب ہے اس لئے اس کے مضامین نہایت وسیع الاطراف ہیں۔ اس میں علوم ومعارف کے خزانے بھی ہیں اور نفس کے ارتقاء اور روح کی بالیدگی کا سامان بھی۔ ان گوناگوں خصوصیات کے باوجود وہ اپنے مقصد کی وضاحت اور انسان پر ہدایت کی راہ روشن کرنے کے پہلو سے ایسی سہل کتاب ہے کہ ہر خاص وعام اس سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔ فہمائش اور نصیحت پذیری کے لئے دقیق مضامین کو بھی نہایت سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مخاطب ہر شخص ہے اور یہ خیال کرنا کہ اس کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں سراسر غلط ہے۔ قرآن ہر شخص کو اس کا براہِ راست مطالعہ کرنے، اس پر غور وفکر کرنے اور اس کی نصیحت کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جو لوگ عربی نہ جانتے ہوں وہ کسی معتبر ترجمہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مگر قرآن کے معنی ومطلب کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اس سے بڑی بے تعلقی اور بہت بڑی محرومی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں میں یہ غفلت عام ہے اور علماء نے جہاں ترجمہ وتفسیر کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور درسِ قرآن کا سلسلہ چلاتے رہتے ہیں وہاں کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو ترجمہ کی مدد سے قرآن کو سمجھنا پسند نہیں کرتے اور تلاوتِ قرآن اور حفظِ قرآن کی فضیلتیں بیان کرکے انہیں صرف اسی میں مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔ فضائل سے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ علماء اس بات پر زور کیوں نہیں دیتے کہ لوگ قرآن کا فہم حاصل کریں۔ اور تعجب ہے کہ بعض حضرات تو اس آیت کا ترجمہ ہی اس طرح کرتے ہیں کہ نصیحت کی جگہ حفظ پر توجہ مرکوز ہوکر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے سورۂ قمر کی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''ہم نے کلامِ پاک کو حفظ کرنے کے لئے سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا۔'' (تبلیغی نصاب فضائل قرآن ص ۵۵)

اس آیت میں لفظ ''ذکر'' نصیحت کے معنی میں اور لفظ ''مُدَّکِر'' ''نصیحت حاصل کرنے والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ حفظ کے معنی میں۔ اس پر دلیل اس کا سیاق وسباق بھی ہے اور اس قسم کی دوسری آیات بھی۔ سورۂ قمر میں خطاب کافروں سے ہے۔ انہیں قیامت کے انکار پر سخت تنبیہ کی گئی ہے اور قرآن کی نصیحت پر کان دھرنے کی دعوت دی گئی ہے اسی سلسلہ میں قومِ نوح اور دیگر سرکش قوموں کا انجام پیش کیا گیا ہے تاکہ منکرین عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ فرمایا۔

''ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔''

اگر ذکر کا ترجمہ نصیحت کے بجائے حفظ کردیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کافروں سے یہ کہا جارہا ہے کہ قرآن حفظ کرنے کے لئے آسان بنادیا گیا ہے تو ہے کوئی **حفظ** کرنے والا۔ گویا قرآن کافروں کو حفظِ قرآن کی دعوت دے رہا ہے جب کہ انہوں نے ابھی نہ اس کی نصیحت کو قبول کیا ہے اور نہ ایمان لائے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی بے تکی بات قرآن کی طرف ہرگز منسوب نہیں کی جاسکتی۔ اس سلسلہ میں لغت کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے کہ اس کے ایک معنی حفظ کے بھی ہیں چنانچہ لسان العرب میں ہے:

الذکر الحفظ لشی تذکرہ ''ذکر کے معنیٰ کسی چیز کو محفوظ کر لینے کے ہیں جس کو تم یاد رکھ سکو۔''

لیکن اول تو صاحب لسان العرب نے حفظ کا لفظ معنی سے بے تعلق ہو کر حفظ کرنے کے مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے اس لئے اس کو اردو کے لفظ حفظ کے محدود معنیٰ میں لینا صحیح نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر لغت میں ذکر کے مختلف معنی میں سے ایک معنی محض ''حفظ'' کرنے کے ہوں بھی تو آیت زیر بحث میں ذکر کے وسیع مفہوم میں یہ بات ضمناً ہی شامل ہو سکتی ہے ورنہ اس کا ابھرا ہوا مفہوم نصیحت ہی ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دوسری جگہ قرآن کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے اس بنا پر وہ سرتاسر نصیحت ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر: ۹)

''بلاشبہ ہم نے یہ ذکر (یاددہانی) نازل کی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (حجر: ۹)

سورۂ دخان میں ہے: **فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔**

''ہم نے (اے پیغمبر!) تمہاری زبان میں اسے آسان بنا دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔'' (دخان۔۵۸)

اس آیت میں قرآن کو آسان بنانے کا مطلب واضح طور سے تذکرہ یعنی یاددہانی اور نصیحت حاصل کرنا بیان ہوا ہے اس لئے سورۂ قمر کی زیر بحث آیت کو بھی اسی معنی میں لینا صحیح ہوگا۔ ابن جریر طبری نے بھی اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

وَلَقَدْ سَھَّلْنَا الْقُرْآنَ بَیَّنَّاہُ وَفَصَّلْنَاہُ لِلذِّکْرِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَتَذَکَّرَ وَیَعْتَبِرَ وَیَتَّعِظَ وَھَوَّنَّاہُ۔

''ہم نے قرآن کو سہل بنایا، اس کو واضح کیا، کھول کر بیان کیا اور آسان بنایا نصیحت کے لئے یعنی اس کے لئے جو نصیحت، عبرت اور موعظت حاصل کرنا چاہے۔''

(تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۵۷)

قرآن کی اصطلاحات کے معنی لغت کے ذریعہ متعین نہیں کئے جا سکتے بلکہ قرآن میں اس کے استعمالات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر عبادت کے لفظ ہی کو لیجئے۔ لسان العرب میں اس کے ایک معنی اطاعت کے بیان ہوئے ہیں:

والعبادۃ: الطاعۃ ''عبادت یعنی طاعت۔'' (لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۲)

جبکہ قرآن میں اس کا ابھرا ہوا مفہوم پرستش ہے۔ چنانچہ بتوں کی پرستش کے لئے یہی لفظ استعمال ہوا ہے البتہ عبادت کے وسیع مفہوم میں اطاعت بھی شامل ہے مگر یہ بات صحیح نہ ہوگی کہ ہم عبادت کے ابھرے ہوئے مفہوم پرستش پر زور نہ دیں یا اس سے قطع نظر کر کے اس لفظ کو اطاعت کے مفہوم میں لینے لگیں۔ اس کی دوسری مثال لفظ صلوٰۃ ہے:

جس کے معنی لغت میں دعا کے ہیں لیکن قرآن نے اس کو شرعی طریقہ پر ادا کی جانے والی ایک خاص عبادت کے لئے جسے ہم اردو میں نماز کہتے ہیں استعمال کیا ہے۔ تو کیا محض لغت کی مدد سے اقیموا الصلوٰۃ کے معنی ''دعا قائم کرو'' کرنا صحیح ہوگا؟ اگر نہیں تو ذکر کے معنی بھی قرآن کے استعمالات کو نظر انداز کر کے محض لغت کے ذریعہ متعین کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور یہ بات بھی وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ قرآن میں ذکر کا لفظ کہیں بھی معنی سے بے تعلق ہو کر محض زبانی یاد کرنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

یہ آیت اس سورہ میں بار بار دہرائی گئی ہے اور مقصود اس بات کی تاکید کرنا ہے کہ لوگ قرآن سے نصیحت حاصل کریں۔

۲۳؎ عاد کا واقعہ بھی سورہ ہود میں تفصیلاً نیز دیگر متعدد سورتوں میں گزر چکا۔

۲۴۔ نحوست کے دن سے مراد عذاب کا دن ہے۔ اور یہ عذاب جیسا کہ سورۂ حاقہ میں بیان ہوا ہے آٹھ دنوں تک مسلسل رہا۔ دن کوئی بھی بجائے خود منحوس نہیں۔ وہم پرست لوگ دنوں کے منحوس ہونے کا فاسد عقیدہ رکھتے ہیں مگر قرآن کے نزدیک منحوس دن وہ ہے جس میں اس کا عذاب نازل ہو۔ عاد پر آٹھ دن تند ہوا کا عذاب مسلط رہا جب کہ ہفتہ سات دن کا ہوتا ہے۔ واضح ہوا کہ اس قوم کے لئے ہفتہ کا ہر دن عذاب کا دن ہونے کی حیثیت سے منحوس تھا۔ اور جب پورا ہفتہ منحوس قرار پایا تو وہم پرستوں کے لئے کون سا دن منحوس قرار دینے کے لئے باقی رہا؟

۲۵۔ یعنی اس تند ہوا نے اس قوم کو بالکل جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ ہر طرف ان کی لاشیں ہی لاشیں تھیں۔

۲۶۔ ثمود کی سرگزشت سورۂ **اعراف**، سورۂ **ھود** اور دیگر متعدد سورتوں میں گزر چکی۔

۲۷۔ ان کے نزدیک رسول کو بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہونا چاہئے تھا۔ یہی ذہنیت مشرکینِ مکہ کی بھی تھی۔ ثمود کا کہنا تھا کہ یہ شخص ہدایت کے نام پر ہمیں غلط راہ پر ڈالنا چاہتا ہے اور یہ عقل کا دیوالیہ پن ہوگا کہ ہم اس کی بات کو مان کر اس کی پیروی کرنے لگیں۔

۲۸۔ وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ کی طرف سے نصیحت نازل ہوتی تو اسی شخص پر کیوں نازل ہوتی جب کہ ہمارے درمیان بہتر افراد موجود ہیں۔ ان کے نزدیک بہتر ہونے کا معیار سیرت نہیں بلکہ دنیوی شان و شوکت تھی۔

۲۹۔ انہوں نے ایک رسول پر جو مجسم سچائی ہوتا ہے اور جس کے خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا جھوٹا اور گھمنڈی ہونے کا الزام لگایا۔

۳۰۔ غداً (کل) سے مراد عذاب کا دن بھی ہے اور قیامت کا دن بھی، جو اتنا قریب ہے کہ گویا کل ہی واقع ہونے والا ہے۔ اس روز ان لوگوں کو جو رسول پر الزام تراشی کرتے ہیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور گھمنڈی کون تھا۔ اللہ کا رسول یا وہ خود۔

۳۱۔ یہ اونٹنی ایک معجزہ کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی اور اس قوم کے لئے وجہ آزمائش تھی کہ وہ اس کے پانی پینے کی باری کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں اور اس کو کوئی گزند تو نہیں پہنچاتے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ شعراء نوٹ ۱۳۱۔

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾

۲۸ اور ان کو بتادو کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی باری کے دن پانی پر آنا ہے۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾

۲۹ مگر انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا اور اس نے آگے بڑھ کر اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ ۳۲؎

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

۳۰ تو دیکھو کیسا رہا میرا عذاب اور کیسی رہیں میری تنبیہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾

۳۱ ہم نے ان پر ایک ہی ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ والے کی باڑ کے چورے کی طرح ہو کر رہ گئے۔ ۳۳؎

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

۳۲ اور ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾

۳۳ لوط کی قوم نے بھی تنبیہوں کو جھٹلایا۔ ۳۴؎

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾

۳۴ ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دی ۳۵؎۔ صرف لوط کے متعلقین اس سے بچے ۳۶؎۔ ہم نے ان کو سحر کے وقت نجات دی۔ ۳۷؎

نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾

۳۵ اپنے خاص فضل سے۔ اس طرح ہم جزا دیتے ہیں ان کو جو شکر کرتے ہیں۔ ۳۸؎

وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾

۳۶ اس نے ان کو ہماری پکڑ سے خبردار کر دیا تھا مگر وہ تنبیہات میں شک کرتے رہے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾

۳۷ اور انہوں نے اس کو اپنے مہمانوں کی عزت بچانے سے باز رکھنا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں ۳۹؎ کہ چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾

۳۸ صبح سویرے ان کو قائم رہنے والے عذاب نے آلیا۔ ۴۰؎

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾

۳۹ تو چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

۴۰ اور ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾

۴۱ اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہیں آئی تھیں۔

۳۲۔ غیر معمولی قد کی اونٹنی کو مارنا بھی آسان نہ تھا اس لئے اس بد بخت نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے تا کہ وہ ہلاک ہو۔ثمود نے اس کام کے لئے ایک شخص کو آگے بڑھایا تھا اس لئے اس گناہ کی مرتکب پوری قوم ہوئی، اوراس نے اللہ کے عذاب کو دعوت دی۔

۳۳۔ باڑھ والا اپنے جانوروں کی حفاظت کے لئے جھاڑ جھنکار کی باڑھ لگا تا ہے جوایک وقتی چیز ہوتی ہے اور پھر خشک ہوکر چورا چورا ہوجاتی ہے۔یہی حال ثمود کا ہوا کہ ان کو عذاب الٰہی نے اس طرح روند ڈالا کہ ان کا سارا دم خم نکل گیا۔

۳۴۔ قومِ لوط کی سرگزشت سورۂ ہود اور دیگر متعدد سورتوں میں گزر چکی۔

۳۵۔ قومِ لوط پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ھود نوٹ ۱۱۹۔

۳۶۔ لوط کے متعلقین جو ایمان لائے تھے۔

۳۷۔ سحرات کے آخری حصہ کو کہتے ہیں۔آل لوط کو اخیر شب میں نجات ملی۔حدیث میں آتا ہے کہ شب کا آخری حصہ نزول رحمت اور قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔اور قرآن میں اہلِ ایمان کا یہ وصف بیان ہوا ہے کہ:

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

''وہ سحر کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں۔'' (الذاریات:۱۸)

۳۸۔ یعنی جو اللہ کی نعمتوں اور اس کی ہدایت کی قدر کرتے ہیں۔

۳۹۔ مہمان فرشتے تھے جو قومِ لوط کے لئے آزمائش بن کر انسانوں کے روپ میں آئے تھے۔حضرت لوط نے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا تھا مگر شرپسندوں نے بدکاری کے لئے ان کو اغوا کرنے کی کوشش کی۔جب انہوں نے برے ارادے سے حضرت لوط کے گھر میں گھسنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں ہی اندھی کر دیں۔شہوت پرستانہ نظر سے ان مہمانوں کو دیکھنے کی جو ظاہر ہے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں رہے ہوں گے یہ فوری سزا انہیں مل گئی۔

۴۰۔ اس کے بعد صبح ہوتے ہی اس مفسد قوم پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑا۔

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾

۴۲ مگرانہوں نے ہماری ساری نشانیوں کوجھٹلا یاتو ہم نے ان کو پکڑا جوایک غالب اورقدرت والے کی پکڑتھی۔ ۴۱؎

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾

۴۳ کیا تمہاری قوم کے کفار، ان قوموں کے کفار سے بہتر ہیں؟ ۴۲؎ یا تمہارے لئے آسمانی صحیفوں میں برأت لکھی ہوئی ہے؟ ۴۳؎

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾

۴۴ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾

۴۵ عنقریب ان کا جتھا شکست کھائے گا اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ ۴۴؎

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾

۴۶ بلکہ ان سے اصل وعدہ تو قیامت کا ہے ۴۵؎۔ اور قیامت کی گھڑی بڑی سخت اور کڑوی ہوگی۔ ۴۶؎

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾

۴۷ مجرم گمراہی اور عقل کی خرابی میں مبتلا ہیں۔ ۴۷؎

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

۴۸ اُس دن یہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے۔ اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزا۔ ۴۸؎

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾

۴۹ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر (منصوبہ) کے ساتھ پیدا کی ہے۔ ۴۹؎

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾

۵۰ اور ہمارا حکم تو بس یک بارگی پلک جھپکنے کی طرح عمل میں آجائے گا۔ ۵۰؎

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾

۵۱ ہم تمہارے ہم مشربوں ۵۱؎ (تمہارے طریقہ پر چلنے والوں) کو ہلاک کر چکے ہیں تو ہے کوئی سبق لینے والا۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾

۵۲ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾

۵۳ اور ہر چھوٹی بڑی بات ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہے۔ ۵۲؎

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾

۵۴ بلاشبہ متقی باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ ۵۳؎

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

۵۵ سچے مقام میں ۵۴؎ ایک با اقتدار بادشاہ کے پاس۔ ۵۵؎

۴۱؎ یعنی ایسی زبردست پکڑتھی کہ فرعون والوں کا سارادم خم جاتا رہااور وہ قہرالٰہی کے آگے بالکل بے بس ہو کر رہ گئے۔

۴۲؎ خطاب قوم عرب سے ہے کہ تم میں جولوگ کافر ہیں ان کی روش بھی وہی ہے جو گزری ہوئی کافر قوموں کی تھی۔ پھران میں کیا خوبی ہے کہ ان کا انجام وہ نہ ہوجو گزری ہوئی کافر قوموں کا ہو چکا ہے۔کافر تو اللہ کا باغی اور پرلے درجہ کا مجرم ہوتا ہے، لہٰذا ایک کافر قوم لازماً سزا کی مستحق ہوتی ہے۔

۴۳؎ یعنی کیا کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تمہارے اعمال کیسے ہی ہوں تمہیں سزا نہیں دی جائے گی۔ اگر ایسا نہیں ہے اور نجات کا پروانہ تمہیں مل نہیں گیا ہے تو پھر اللہ کی ہدایت سے منہ موڑنے کی جسارت کیسے کرتے ہو!

۴۴؎ قرآن نے یہ بات مکہ میں کہی تھی جبکہ قریش کی شکست کے بظاہر کوئی آثار نہیں تھے۔لیکن اس کی یہ پیشین گوئی چند سال بعد بدر میں پوری ہوئی حدیث میں آتا ہے کہ جنگِ بدر (۲ھ) کے موقع پر نبی ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھےاور یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔

''عنقریب ان کا جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔''

اور تھوڑی ہی دیر میں کافروں کے قدم اکھڑ گئے اور انہیں بری طرح شکست ہوئی۔اسی طرح جنگِ خندق ۵ھ میں بھی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

۴۵؎ یعنی دنیا میں ان کو اللہ کے رسول کے مقابلہ میں جو شکست ہوگی وہ تو ہوگی ہی۔اس کے علاوہ اصل سزا تو انہیں قیامت کے دن ملے گی جو زبردست اور دائمی سزا ہوگی۔

۴۶؎ یعنی قیامت بہت بڑی مصیبت اور بہت سی تلخیوں (کرواہٹوں) کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوگی۔لہٰذا خبردار ہوجاؤ اور اس دن کی مصیبت سے بچنے کا سامان کرو۔

۴۷؎ یہ جواب ہے کافروں کی اس بات کا جو آیت ۲۴ میں بیان ہوئی ہے۔

۴۸؎ اصل آیت میں لفظ 'سقر' استعمال ہوا ہے جو جہنم کا نام ہے اور جس کے معنی ہیں شدید حرارت والی۔

۴۹؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز منصوبہ بند طریقہ پر پیدا کی ہے۔اسے کیا کام کرنا ہے کس وقت تک کرنا ہے اور کس غایت کو اسے پہنچنا ہے۔اس طرح پوری کائنات کی ایک تقدیر ہے، اور اپنے مقررہ وقت ہی پر اس میں وہ انقلاب آئے گا جس کا نام قیامت ہے۔کسی کے جلدی مچانے سے قیامت وقت سے پہلے نہیں آسکتی۔

۵۰؎ یعنی قیامت کے برپا کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کچھ دیر نہیں لگے گی۔اس کا حکم ہوگا اور چشم زدن میں وہ برپا ہوجائے گی۔آنکھ اس تیزی سے جھپکتی ہے کہ اس کے لئے کوئی وقت درکار نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا حکم ہوتے ہی وہ فوراً برپا ہوجائے گی۔

۵۱؎ یعنی تمہاری روش پر چلنے والوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔مراد کافر اور سرکش قوتیں ہیں۔

۵۲؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ کہف نوٹ ۷۰۔

۵۳؎ یہاں متقیوں کا ذکر مجرموں کے مقابلہ میں ہوا ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے حضور جوابدہی سے ڈرتے رہے، اس کی ہدایت کو قبول کیا اور گناہوں سے پرہیز کرتے رہے۔ان کا صلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخرت میں جنت کے باغوں میں ہوں گے جہاں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

۵۴؎ یعنی ایسے مقام میں جہاں وہ سچا انعام پائیں گے اور انہیں سچی عزت وسرفرازی حاصل ہوگی۔

۵۵؎ یعنی انہیں اللہ کا جو بادشاہِ حقیقی ہے اور جس کی قدرت اور جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے۔قُرب حاصل ہوگا اور یہ سب سے بڑا انعام ہوگا۔

سورۂ
الرحمٰن

۵۵۔ الرحمٰن

نام سورہ کا آغاز خدائے رحمٰن کے نام سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الرحمٰن' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے وسطی دور میں سورۂ احقاف کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ سورۂ احقاف میں جنوں کے ایک گروہ کے قرآن کو سننے اور اپنی قوم میں جا کر اس کو خبردار کرنے کا ذکر ہے، اور اس سورہ میں جنوں سے خطاب کر کے انہیں جھنجھوڑا گیا ہے اس لئے یہ تنبیہ اس کے بعد ہی کی ہو سکتی ہے۔

مرکزی مضمون نئے نظام کے ساتھ ایک نئے عالم کے وجود میں آنے اور اس میں جزا و سزا کا معاملہ پیش آنے کی جو خبر قرآن دے رہا ہے، اس کو ناممکن خیال کرنے اور اس کا انکار کرنے والے انسانوں اور جنوں کو کمالاتِ قدرت کی طرف متوجہ کرنا ہے، تا کہ ان کی حیرت دور ہو۔ اور وہ اس خبر پر یقین کرنے لگیں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۴ تمہیدی آیات ہیں جن میں خدائے رحمٰن کی سب سے بڑی رحمت کا ذکر ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اس نے انسان کو کتابِ ہدایت (قرآن) کا علم بخشا۔ اور یہ اسی کی رحمت کا فیضان ہے کہ انسان کو قوتِ گویائی حاصل ہوئی، جو اس مخلوق کا ایک امتیازی وصف ہے۔ آیت ۵ تا ۱۳ میں زمین و آسمان کے عجائباتِ قدرت کا ذکر کر کے، یہ سوال قائم کیا گیا ہے کہ تم اپنے رب کے کن کن کمالاتِ قدرت کا انکار کرو گے؟

آیت ۱۴ تا ۳۰ میں انس و جن کی تخلیق، دو مشرقوں اور دو مغربوں کا بُعد، دو سمندروں کا ملنا اور اس قسم کی دوسری حیرت انگیز نشانیوں، نیز اللہ کی شانِ کریمی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

آیت ۳۱ تا ۴۵ میں انسانوں اور جنوں کو ان کے مجرمانہ رویہ پر سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ دن بس آ ہی رہا ہے، جب تمہیں اپنے کئے کی سزا ملے گی اور وہ سزا نہایت دردناک ہوگی۔

آیت ۴۶ تا ۷۸ میں ان لوگوں کا خوشگوار انجام بیان ہوا ہے۔ جو اللہ کے حضور جوابدہی سے ڈرتے رہے۔ اس سلسلہ میں جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے، جس سے اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

سُوْرَةُ الرَّحْمٰن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿۷﴾

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾

۵۵۔ سُوْرَةُ الرَّحْمٰن

آیات: ۷۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ رحمٰن نے، ۱؎

۲ قرآن کی تعلیم دی۔ ۲؎

۳ اس نے انسان کو پیدا کیا، ۳؎

۴ اور اس کو بولنا سکھایا۔ ۴؎

۵ سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔ ۵؎

۶ اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔ ۶؎

۷ آسمان کو اس نے بلند کیا ۷؎، اور میزان رکھ دی۔ ۸؎

۸ کہ تم میزان میں تجاوز نہ کرو۔ ۹؎

۹ اور ٹھیک تولو انصاف کے ساتھ اور وزن میں کمی نہ کرو۔ ۱۰؎

۱۰ زمین کو اس نے خلق کے لئے بچھایا۔ ۱۱؎

۱۱ اس میں میوے ہیں اور کھجور ہیں غلاف چڑھے ہوئے۔ ۱۲؎

۱۲ اور غلے ہیں بھس والے ۱۳؎ اور خوشبودار پھول بھی۔ ۱۴؎

۱۳ تو (اے گروہِ جن وگروہِ انس!) ۱۵؎ تم اپنے رب کے کن کن احسانات کا انکار کرو گے۔ ۱۶؎

۱۴ انسان کو اس نے ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ ۱۷؎

۱۵ اور جِن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ ۱۸؎

۱۶ تو (اے گروہ انس وجن!) تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کا انکار کرو گے۔ ۱۹؎

۱۷ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ ۲۰؎

۱۸ تو تم اپنے رب کی کس کس قدرت کا انکار کرو گے!

۱۹ اس نے دو سمندروں کو چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں۔

۱؎ لفظ 'الرحمٰن' کی تشریح سورۂ فاتحہ نوٹ ۵؎ اورسورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۱۴۵؎ میں گزرچکی ۔رحمٰن کا اسم اللہ کے لئے عبرانی زبان میں بھی موجود ہے جوقدیم زمانہ سے یہود کی مذہبی زبان رہی ہے۔عبرانی میں اسے اس طرح لکھا جاتا ہے:

הָרַחְמָן - الرحمٰن

(المعجم الحدیث عبری۔عربی دارالملایین۔بیروت ص ۴۴۶)

گویا زمانۂ قدیم سے الرحمٰن اللہ کے لئے ایک معروف نام چلا آرہا ہے۔

اس سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت سے ہوا ہے جس کے ذکر سے انسان کے اندراس کی رحمت کا احساس ابھرتا ہے۔اوراس احساس ہی کے نتیجہ میں وہ اپنے رب کی نعمتوں کا قدرشناس بنتا ہے۔

۲؎ خدائے رحمٰن کی رحمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ انسان کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے ایک حکمت بھری کتاب نازل کرے اورانسان کواس کاعلم اوراس کافہم بخشے۔چنانچہ اس نے اپنے پیغمبر پرقرآن نازل کرکے انسان کی تعلیم وہدایت کاانتظام کیا۔یہ قرآن اس کی بہت بڑی رحمت ہےاور جہاں وہ رحمت ہے وہاں وہ علم کا خزانہ بھی ہےاورانسان پراس کا یہ عظیم ترین احسان ہے کہ اس نے انسان کوکلام الٰہی کاعلم حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی اوراس کافہم عطا کیا۔

۳؎ قرآن کی تعلیم کا ذکر پہلے کیا گیااورانسان کی تخلیق کا ذکر بعد میں کیا گیا تا کہ واضح ہوجائے کہ قرآن کی تعلیم ہی وہ چیز ہے جواس کے مقصد وجودکو پورا کرتی ہے۔

۴؎ انسان کوقوتِ گویائی (بولنے کے صلاحیت) عطا کرکے اپنے بہت بڑے فضل سے نوازا ہے۔قوتِ گویائی اس کے ضمیر کی ترجمان ہے۔ اوراس کاتعلق اس کے باشعور ہونے سے ہے۔انسان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ باشعورمخلوق ہے جسے گویائی کی فضیلت بخشی گئی،جس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب کاشکرگزار بنے اوراس اعلیٰ صلاحیت کوقرآن سیکھنے کے لئے استعمال کرے۔اس کی زبان پرکلامِ الٰہی جاری ہواوروہ ہمیشہ ذکرالٰہی سے تررہے۔یہ اوراس قسم کے اعلیٰ مقاصد ہی ہیں جس کے لئے اسے بولنے اور بیان کرنے کی صلاحیت بخشی گئی ہے۔

۵؎ پھرانسان نے جس کائنات میں آنکھیں کھولی ہیں اس میں ہرطرف وہ اپنے رب کی کرشمہ سازی کے جلوے دیکھ سکتا ہے سورج اور چاند جیسے عظیم اجرامِ فلکی (Heavenly bodies) کوکس طرح اس نے ایک حساب کاپابند بنا کررکھا ہے کہ وہ اپنے دائرہ سے ذرہ برابرتجاوزنہیں کرسکتے۔ان کوزمین سے جن فاصلوں پررکھا گیا ہے ان فاصلوں پررہنے ہی سے انسان کی زندگی زمین پرممکن ہوئی ہے۔اگرسورج زمین سے قریب آجائے یا زیادہ دورچلاجائے توزمین پرحرارت کاتوازن بگڑ جائے گااورانسان اورحیوانات زندہ نہیں رہ سکیں گے۔اسی طرح چاند کے بھی اپنے دائرہ سے ہٹنے کا زبردست اثرسمندر کے جوار بھاٹے پرپڑے گاجس سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہوں گے۔توانسان دیکھے کہ سورج اور چاند کا اپنے اپنے دائرہ میں رہنااوران کاوقت پرطلوع وغروب خواہ وہ زمین کی گردش کے نتیجہ میں وقوع میں آرہا ہو،اللہ کی قدرت کاکتنا عجیب نمونہ ہے۔

۶؎ ستارے انتہائی بلندی پرہوکربھی اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں اوران کاجھکنا ظاہری اعتبار سے اللہ کے حکم کے آگے پست ہونا ہے۔مثال کے طورپران کوآسمان میں جس زاویہ پررکھا گیا ہے اسی زاویہ پررہنااورمسلسل گردش میں رہنااس کی واضح دلیل ہے۔اسی طرح زمین پردرخت اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں،یہاں تک کہ کوئی پتہ اس کے حکم کے بغیرنہیں ہلتااوران کے سائے اس کے آگے سجدہ ریز ہونے کے مظہر ہیں۔یہ اس کی قدرت کی کیسی عجیب نشانی ہے۔

ستاروں اور درختوں کے سجدہ کرنے کا ذکر سورۂ حج آیت ۱۸ میں بھی ہوا ہے۔

۷۔ آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بلند کر دیا ہے کہ جدید سائنس بھی باوجود اپنے ترقی یافتہ وسائل کے اس کی بلندی کو چھو نہیں سکی ہے۔ یہ اس کے کمال قدرت کا ایسا ثبوت ہے کہ ہر شخص اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

۸۔ میزان عدل کے معنی میں آتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ آسمان کی بلندی کی طرف جب نگاہیں اٹھتی ہیں تو اجرامِ فلکی کا ایک ایسا نظام مشاہدہ میں آتا ہے جو نہایت متوازن ہے اور کوئی چیز بھی ذرہ برابر اعتدال سے ہٹی ہوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز غیر متوازن ہو جائے یا اعتدال سے ہٹ جائے تو یہ نظام زبردست حادثہ سے دوچار ہو جائے۔ اس سے ذہن رب کائنات کی صفتِ عدل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ وہ عدل کرنے والا ہے اور عدل کو پسند کرتا ہے اسی لئے اس نے کائنات کے اس نظام میں کمال درجہ کا اعتدال رکھا ہے۔ گویا دیدۂ بینا رکھنے والے آسمان و زمین کے درمیان ایک میزان لٹکتی ہوئی دیکھ سکتے ہیں اور وہ ہے میزانِ عدل۔ اور یہ غیر مادی میزان بھی اللہ کی کرشمہ سازی ہی ہے۔

۹۔ یہ میزان عدل جو زمین و آسمان کے درمیان قائم ہے اور بصیرت کی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے انسان کو عدل کا سبق دے رہی ہے کہ وہ راستی پر قائم رہے اور خلافِ عدل کوئی کام نہ کرے، نہ اپنے رب کے تعلق سے اور نہ بندگانِ رب کے تعلق سے۔

۱۰۔ جب میزان عدل کا ذکر ہوتو اس کی مناسبت سے اس میزان (ترازو) کی طرف توجہ دلائی جس کو انسان تولنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے میزانِ عدل اس لئے قائم کی ہے تاکہ تم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کرو اور انصاف کے ساتھ تولو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو کہ یہ بہت بڑی حق تلفی بھی ہے، فریب دہی بھی ہے اور عظیم گناہ بھی۔

سورۂ مطففین میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو سخت وعید (عذاب کی دھمکی) سنائی گئی ہے۔

۱۱۔ یعنی زمین کو اس قابل بنایا کہ مخلوق اس پر آباد ہو سکے۔ سائنس کی ترقی نے انسان کو چاند پر پہنچا دیا لیکن سکونت کے لئے اسے موزوں نہیں پایا۔ یہی حال دوسرے سیاروں کا بھی ہے کہ وہ اس قابل نہیں کہ انسان وہاں زندگی گزار سکے لیکن زمین وہ کرّہ ہے جہاں زندگی گزارنے کی ساری سہولتیں اور آسائشیں مہیا ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ خالق نے زمین کو اپنی مخلوق کے لئے خاص طور سے بنایا ہے۔

۱۲۔ زمین پر انسان کو جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ بھی اس کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے اور اس میں اس کی ربوبیت اور کمالِ قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر چند نعمتوں کا ذکر ہوا ہے۔ میوے کیسے خوش ذائقہ، رنگ برنگی اور مختلف نمونوں کے پیدا کئے گئے ہیں۔ کھجور ہی کو لیجئے اس کا گودا اس طرح جھلی میں لپٹا ہوا ہے کہ صاف نظر آتا ہے کہ اس کے رازق نے یہ اہتمام اس لئے کیا ہے تاکہ گودا محفوظ رہے اور انسان کو یہ نعمت بہترین شکل میں مل جائے۔

۱۳۔ اناج کے ایک ایک دانہ پر باریک پتی کا کور چڑھا ہوا ہوتا ہے جس کے اندر وہ محفوظ رہتا ہے اور یہ پتی یا چھلکا بھس کا کام دیتا ہے جو جانوروں کی غذا ہے۔ مثال کے طور پر گیہوں کے دانہ پر جو تہ سی چڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ پسنے پر بھس بن جاتی ہے اور چاول کے دانہ پر تو چھلکا ہوتا ہے اسی طرح چنے پر بھی۔ گویا اناج کے ایک ایک دانہ کو پیک کر کے محفوظ شکل میں انسان کو پہنچایا جا رہا ہے۔ یہ اہتمام کتنا عجیب ہے! رزق کا یہ سامان کیسا نفیس ہے!

۱۴۔ رَیحان خوشبودار نباتات کو بھی کہتے ہیں اور پھول کو بھی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف ذوق یہ بھی عطا کیا ہے کہ خوشبو سے وہ فرحت و انبساط کی کیفیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کے اس ذوق کو پورا کرنے کے لئے خوشبودار نباتات مثلاً لونگ، دارچینی وغیرہ اور طرح طرح کے پھول، مثلاً گلاب، چمیلی وغیرہ پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ پھول کیسے نرم، نازک اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کی خوشبو کس طرح دماغ کو تازگی بخشتی ہے! انسان

کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان کس خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے!

۱۵؎ خطاب دو گروہوں یعنی انسان اور جنوں سے ہے جیسا کہ آگے آیت ۳۳ میں صراحت کے ساتھ **یامعشر الجن والانس** (اے گروہ جن وانس) فرمایا گیا ہے۔

۱۶؎ 'آلاء' کو عام طور سے نعمتوں کے معنی میں لیا جاتا ہے جو لغت کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن یہ اس لفظ کا اصل مفہوم نہیں ہے اصلاً یہ لفظ جیسا کہ اشعارِ عرب میں استعمال ہوا ہے، ان کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو خوبی کے ہوں اور حکمت اور حسن تدبیر کی بنا پر حیرت میں ڈالنے والے ہوں۔ چنانچہ تفسیر طبری میں اس کے ایک معنی قدرت کے بھی منقول ہیں (دیکھئے تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۷۳) اور امام رازی نے بھی آیت کی ایک توجیہ یہ بیان کی ہے کہ:

مذکورہ آیت قدرت کے بیان میں ہے نہ کہ نعمت کے بیان میں۔'' (تفسیر رازی ج ۲۹ ص ۹۸)

اور علامہ فراہی نے اس پر محققانہ بحث کی ہے اور اس کے معنی ''کرشموں اور افعال محمودہ'' کے بیان کئے ہیں۔

(دیکھئے مفردات القرآن۔فراہی ص ۱۱)

اس سورہ میں یہ آیت ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے اور ہر جگہ نعمتوں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ عذاب کا بھی ذکر ہوا ہے نیز سورہ کا مرکزی مضمون بھی قیامت کے وقوع سے متعلق ہے اس لئے کمالاتِ قدرتِ (قدرت کی کرشمہ سازیوں) کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔ لہٰذا اس آیت کے ترجمہ میں اس کی زیادہ رعایت کی گئی ہے۔

تکذیب کا تعلق جب کسی چیز سے ہو تو اس کے معنی انکار کرنے کے ہوتے ہیں قاموس میں ہے:

وَ کَذَّبَ بِالْاَمْرِ تَکْذِیْبًا وَ کِذَّابًا اَنْکَرَهٗ

''کسی امر کی تکذیب کی یعنی اس کا انکار کیا۔'' (القاموس للفیروزآبادی ج ۱ ص ۱۲۷)

۱۷؎ یعنی ایسی مٹی سے جو ٹھیکری کی طرح پکی ہوئی ہو۔ انسان کا قالب جیسا کہ دوسرے مقامات پر صراحت ہے، سڑی ہوئی مٹی سے تیار کیا گیا تھا اس کے بعد اس کو خشک کر کے پکی ہوئی مٹی کی طرح سخت بنا دیا گیا اور جب اس میں روح پھونک دی گئی تو وہ گوشت پوست کا انسان بن گیا۔ اللہ کی قدرت کا کتنا عجیب نمونہ ہے انسان!

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ حجر نوٹ ۲۴۔

۱۸؎ جس طرح انسان کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اسی طرح جن کو اسی زمین پر پائی جانے والی آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس کی لُو سے۔ اسی لئے جِن ایک لطیف مخلوق ہے جو دکھائی نہیں دیتی اور جِن کی پرواز بہت تیز ہوتی ہے۔ جِن کی اس طرح تخلیق اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہی ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۲۵۔

۱۹؎ یہ آیت اس سورہ میں بار بار دہرائی گئی ہے جو محض تکرار نہیں بلکہ توجہ کو اللہ کے احسانات، کمالات اور کرشموں پر مرکوز کرنے اور قلب و روح کو بیدار کرنے کے لئے ہے۔ اس تکرار کی مثال زبور میں بھی ملتی ہے جس کے باب ۱۳۶ میں فقرہ ''کہ اس کی شفقت ابدی ہے'' ۲۶ بار دہرایا گیا ہے۔

''خداوند کا شکر کرو کیونکہ وہ بھلا ہے

کہ اس کی شفقت ابدی ہے

۰۰۰۰۰ اسی کا جو اکیلا بڑے بڑے عجیب کام کرتا ہے

کہ اس کی شفقت ابدی ہے۔

اسی کا جس نے دانائی سے آسمان بنایا۔

کہ اس کی شفقت ابدی ہے۔

اسی کا جس نے زمین کو پانی پر پھیلایا

کہ اس کی شفقت ابدی ہے۔

اسی کا جس نے بڑے بڑے نیّر بنائے

کہ اس کی شفقت ابدی ہے۔

دن کو حکومت کرنے کے لئے آفتاب

کہ اس کی شفقت ابدی ہے۔

رات کو حکومت کرنے کے لئے ماہتاب اور ستارے

کہ اس کی شفقت ابدی ہے۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تکرار کا اسلوب آسمانی کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے اور تعلیم و تربیت کے پہلو سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔

۲۰۔ عرفی معنی میں تو زمین پر ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہے لیکن موسم سرما میں سورج کا طلوع اور غروب افق کے ایک نقطۂ انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور موسم گرما میں دوسرے نقطۂ انتہا کو جس سے موسمی تغیرات واقع ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ باقاعدگی کے ساتھ ہوتا ہے اس مناسبت سے سورج کے طلوع و غروب کے دو مشرق اور دو مغرب ہوئے۔ اور یہ بھی اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے ۔

ایک اور پہلو سے بھی دو مشرقوں اور دو مغربوں کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ قطب شمالی میں جہاں چھ مہینے دن رہتا ہے سورج سر پر نہیں رہتا بلکہ ایک کنارے پر چلتا ہے۔ مشرق سے نکل کر جب مغرب میں پہنچتا ہے تو ڈوبتا نہیں ہے بلکہ پھر مشرق کی جانب چلتا ہے۔ اس طرح وہ ایک سمت سے دوسری سمت چکر کاٹتا ہے۔ قطب شمالی کے قریبی علاقہ میں جہاں انسان کی آمد و رفت ہے یہ منظر دکھائی دیتا ہے۔ ان دنوں میں مغرب بھی مشرق بن جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے چھ مہینوں میں جب رات ہی رات رہتی ہے مشرق بھی مغرب بن جاتی ہے۔ اسی طرح قطب جنوبی پر بھی چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات رہتی ہے تو کیسا کمال ہے قدرت کا!

زمین پر جو بھی ہیں فنا ہونے والے ہیں۔
اور تمہارے رب کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے
جو صاحبِ جلال واکرام ہے۔(القرآن)

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾

۲۰ ان کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔۲۱؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾

۲۱ توتم اپنے رب کے کن کن عجائبِ قدرت کا انکار کروگے !

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾

۲۲ ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔۲۲؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾

۲۳ توتم اپنے رب کے کن کن کمالاتِ قدرت کا انکار کروگے!

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾

۲۴ اسی کے اختیار میں ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے جہاز۔۲۳؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

۲۵ توتم اپنے رب کے کن کن کرشموں کا انکار کروگے!

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾

۲۶ زمین پر جو بھی ہیں فنا ہونے والے ہیں۔۲۴؎

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾

۲۷ اور تمہارے رب کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے جو صاحبِ جلال واکرام ہے۔۲۵؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

۲۸ توتم اپنے رب کی کن کن خوبیوں کا انکار کروگے!

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾

۲۹ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اس سے مانگتے ہیں ۲۶؎۔ ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہے۔۲۷؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

۳۰ توتم اپنے رب کے کن کن کمالات کا انکار کروگے!

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾

۳۱ اے دو عظیم گروہو!۲۸؎ ہم تمہارے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں۔۲۹؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

۳۲ توتم اپنے رب کے کن کن کرشموں کا انکار کروگے ۳۰؎

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾

۳۳ اے گروہِ جنّ وانس اگر تم آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ نہیں نکل سکتے بغیر اختیار کے۔۳۱؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

۳۴ توتم اپنے رب کی کن کن نشانیوں کا انکار کروگے!

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

۳۵ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا ۳۲؎۔ پھر تم اپنا بچاؤ نہ کرسکوگے۔۳۳؎

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

۳۶ توتم اپنے رب کے کن کن کمالاتِ قدرت کا انکار کروگے!

۲۱۔ اس کی تشریح سورۂ فرقان نوٹ ۷۱ ۔ میں گزر چکی ۔

۲۲۔ مرجان (Coral) ایک آبی درخت ہوتا ہے جسے سمندر میں کیڑے بناتے ہیں ۔ پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے اور رنگ خوبصورت گلابی اور کچھ دوسرے رنگ بھی ہوتے ہیں ۔ اس کا شمار جواہرات میں ہوتا ہے اور آرائش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام اس لئے کیا ہے تاکہ انسان کے ذوق جمال کی تسکین کا سامان ہو اور جس عجیب طریقہ سے کیا ہے وہ اس کا کرشمہ ہی ہے ۔

اس آیت کے تعلق سے ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ موتی اور مرجان صرف سمندر سے نکلتے ہیں جبکہ آیت میں سمندر اور دریا دونوں سے نکلنے کا ذکر ہے اس لئے بعض مفسرین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں کے مجموعہ سے یہ چیزیں نکلتی ہیں ۔ بچہ اگرچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے لیکن وہ ماں اور باپ دونوں کی اولاد ہوتا ہے ۔ لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ موتی صرف سمندر سے نکلتے ہیں بلکہ دریا سے بھی نکلتے ہیں جس کا پانی میٹھا ہوتا ہے ۔ ذیل میں ہم انسائیکلو پیڈیا آف مینیرلس اینڈ جیم اسٹونس کا اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے :۔

" They are found in both sea water and fresh water ....Pearls are found in the Persion Gulf, the Gulf of Manaar between Ceylone and India, the Red sea, the Gulf of Mexico and Panama, and the waters of Australia and Venezuela. Fresh water Pearls are found in many rivers including those of Scotland and North America.......in particular the Mississippi river."

(The Encyclopedia of Minerals & Gem stones by Michal O' Donaghne..........Orbis publ. London P.286)

''موتی دونوں میں پائے جاتے ہیں سمندر کے پانی میں بھی اور دریا کے پانی میں بھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ موتی خلیج فارس ، خلیج منار جو سیلون اور انڈیا کے درمیان ہے ، بحر احمر ، میکسیکو اور پناما کے خلیج اور اسٹریلیا اور وینزولا سے دور پانی میں ۔ میٹھے پانی کے موتی بہت سے دریاؤں میں پائے جاتے ہیں بشمول اسکاٹ لینڈ اور شمالی امریکہ کے دریاؤں کے اور خاص طور سے دریائے مسی سی پی میں ۔''

جواہرات کی اس انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ ۱۲۷ پر بھی یہ صراحت موجود ہے کہ :

"Pearls may be obtained them from both fresh water and salt water molluses."(p.127)

''موتی میٹھے پانی کے صدفہ سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کھاری پانی کے صدفہ سے بھی ۔''

۲۳۔ پانی میں کتنی ہی چیزیں ڈوبتی ہیں لیکن بڑے بڑے جہاز جو پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں سمندر میں کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ کیا یہ اللہ کی قدرت کا جلوہ نہیں ہے ؟ ان جہازوں پر اس کا کنٹرول ایسا ہے کہ جب وہ چاہتا ہے جہاز کو ڈوبو دیتا ہے ۔

آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نزول قرآن کے زمانہ میں بھی بڑے بڑے جہاز ہوا کرتے تھے ۔

۲۴۔ عربی میں 'من' (جو) جاندار کے لئے آتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر جو مخلوق بھی زندہ ہے اس کو ایک دن مرنا اور ختم ہوکر رہ جانا ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کرے گا اور انس و جن دونوں گروہوں کو وہ اپنے حضور جوابدہی کے لئے حاضر کرے گا ۔ بعد کی آیتوں میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے ۔

۲۵۔ یعنی اللہ کی ذات جو عظمت اور عزت والا ہے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ۔ اس کے لئے بقا ہی بقا ہے وہ اپنی بقا کے لئے نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ اس کی عظمت و عزت میں کبھی کوئی فرق آسکتا ہے ۔ رہی مخلوق تو اس کا بقا اس کے رب کی مشیت ہی پر موقوف ہے ۔

۲۶۔ یعنی فرشتے ہوں، انسان ہوں یا جن سب اس کے محتاج ہیں اور اس کے آگے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔

۲۷۔ یعنی ہر آن وہ نئی شان میں ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی طرح طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ان کی دعائیں سننا، بیماروں کو شفا بخشنا، کمزوروں کی دستگیری کرنا، مظلوموں کی فریاد رسی کرنا، بے کسوں کی مدد کرنا، خطرات میں گھرے ہوئے لوگوں کو بچانا، تکلیف سے نجات دینا اور مشکل کشائی کرنا، گناہوں کو بخشنا، بندوں کو ہدایت دینا اور انہیں اپنی رحمت اور فضل سے نوازنا، فتح و کامرانی اور عزت و غلبہ عطا کرنا، غرضیکہ بے شمار کام ہیں جن کو انجام دینے میں وہ ایسا لگا ہوا ہے کہ کوئی دن اس سے خالی نہیں۔

۲۸۔ ثقل وزنی، بھاری بھر کم اور نفیس چیز کو کہتے ہیں، عربی کی مشہور لغت قاموس میں ہے:

والثَقل۔۔۔۔۔۔۔۔کل شئ نفیس مصون و منہ الحدیث الی تارک فیکم الثقلین

''ثقل یعنی ہر نفیس اور محفوظ چیز۔اسی معنی میں وہ حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔''

(القاموس ج۳ ص ۲۵۲)

جن اور انس زمین پر دو عظیم گروہ ہیں جو دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں اس لئے ان کو ثقلان سے تعبیر کیا ہے۔

۲۹۔ یہ بات بطور تنبیہ کے ہے یعنی ہم عنقریب تمہاری طرف حساب کتاب کے لئے متوجہ ہوتے ہیں اور تمہاری خبر لیتے ہیں۔

۳۰۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنی عدالت برپا کرے گا اور دونوں گروہوں کی پیشی ہوگی تو تم اس کی کرشمہ سازیوں کا چشم دید مشاہدہ کروگے، گو کہ آج تم ان کا انکار کر رہے ہو۔

۳۱۔ آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے مراد اس عالم کے حدود ہیں اور انسان اور جن مجبور ہیں کہ وہ اسی عالم میں رہیں۔آسمان میں جن پرواز کرتے ہیں اور اب انسان بھی خلا میں پرواز کر رہا ہے مگر ان کی یہ پرواز اس عالم کی سرحدوں سے باہر نہیں ہے۔وہ اس عالم کے باہر کہیں نہیں جا سکتے۔ اگر جا سکتے ہیں تو اس صورت میں جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ اس کا اختیار بخشے۔ بالفاظ دیگر اللہ کی طرف سے اس کا پروانہ (پاسپورٹ) مل جائے۔مقصود یہاں انسانوں اور جنوں کی بے بسی کو ظاہر کرنا ہے کہ جب وہ اللہ کی بنائی ہوئی اسی دنیا میں رہنے کے لئے مجبور ہیں تو پھر اس سے بغاوت کر کے انہیں کہاں پناہ مل سکتی ہے؟

یہاں اس شبہ کا بھی ازالہ ہونا چاہئے کہ انسان نے خلا میں پہنچ کر زمین کے اقطار (حدود) سے نکلنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔آیت میں زمین سے پہلے آسمانوں کا ذکر ہوا ہے چنانچہ اقطار السمٰوٰتِ والارض (آسمانوں اور زمین کے حدود) فرمایا گیا ہے۔اور مراد بحیثیت مجموعی یہ عالم رنگ و بو ہے ورنہ اگر زمین کی کشش سے باہر خلا میں نکل جانا مراد ہوتا تو یہ چیلنج جنوں کو کیسے کیا جا سکتا تھا جو پہلے ہی سے اوپر پرواز کرتے رہے ہیں۔

۳۲۔ نحاس کے معنی لسان العرب میں دخان (دھوئیں) کے دئے ہیں اور اکثر مفسرین نے دھواں ہی مراد لیا ہے اور وہی یہاں موزوں بھی ہے۔

۳۳۔ یہ قیامت کے دن کا حال بیان ہو رہا ہے کہ سرکش انسانوں اور جنوں پر آسمان سے آگ کے شعلے برسائے جائیں گے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا۔پھر تم اللہ کے تازیانوں کا کس طرح انکار کروگے؟

کیاحال ہوگا جب آسمان پھٹ جائے گا اور چمڑے کی
طرح سُرخ ہوجائے گا۔ توتم اپنے رب کے کن کن
کرشموں کاانکارکروگے!(القرآن)

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ ﴿۳۷﴾

۳۷ (کیا حال ہوگا) جب آسمان پھٹ جائے گا اور چمڑے کی طرح سُرخ ہو جائے گا۔ ۳۴؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

۳۸ تو تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کا انکار کرو گے!

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ ﴿۳۹﴾

۳۹ اس روز کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔ ۳۵؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾

۴۰ تو تم اپنے رب کے کن کن کمالاتِ قدرت کا انکار کرو گے!

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
وَالْاَقْدَامِ ۚ ﴿۴۱﴾

۴۱ مجرم اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾

۴۲ تو تم اپنے رب کے کن کن کمالاتِ قدرت کا انکار کرو گے!

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۘ ﴿۴۳﴾

۴۳ یہ وہی جہنم ہے جس کا مجرم انکار کرتے رہے۔

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ ﴿۴۴﴾

۴۴ وہ اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے۔ ۳۶؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۧ ﴿۴۵﴾

۴۵ تو تم اپنے رب کے کن کن کمالاتِ قدرت کا انکار کرو گے!

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ ﴿۴۶﴾

۴۶ اور اس کے لئے جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا دو باغ ہوں گے۔ ۳۷؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ ﴿۴۷﴾

۴۷ تو تم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کرو گے! ۳۸؎

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۚ ﴿۴۸﴾

۴۸ دونوں کثیر ڈالیوں والے ہوں گے۔ ۳۹؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

۴۹ تو تم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کرو گے!

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۚ ﴿۵۰﴾

۵۰ دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ ۴۰؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

۵۱ تو تم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کرو گے!

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۚ ﴿۵۲﴾

۵۲ ان میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوں گی۔ ۴۱؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

۵۳ تو تم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کرو گے!

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۚ ﴿۵۴﴾

۵۴ وہ ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے بیٹھیں گے جن کے استر موٹے ریشم کے ہونگے ۴۲؎۔ اور باغوں کے پھل جھکے پڑے ہونگے۔ ۴۳؎

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

۵۵ تو تم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کرو گے!

۳۴۔ یعنی قیامت کے دن ایسا معلوم ہوگا جیسے آسمان پر آگ لگ گئی ہے اور یہ نیلگوآسمان سرخ آسمان میں تبدیل ہوگیا ہے۔ یہ اشارہ ہے زبردست آسمانی تغیر کی طرف۔ جب آسمان آگ کا منظر پیش کررہا ہوگا تو انسان کے ہوش کہاں رہ جائیں گے۔ اللہ کی قدرت کا یہ مشاہدہ بھی انسان ایک دن کرہی لے گا مگر آج وہ اس کا انکار کررہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ آسمان اور یہ زمین ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔

۳۵۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجرمین سے باز پرس نہیں ہوگی۔ ان سے جیسا کہ قرآن نے دوسرے مقامات پر صراحت کی ہے سخت باز پرس ہوگی۔ یہاں جو بات مقصود ہے وہ یہ ہے کہ مجرمین سے میدان حشر میں کسی کو بھی ان کے جرم کی نوعیت پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ ان کے گناہ کے اثرات ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہوں گے اور ان کا حلیہ دیکھتے ہی انہیں مجرم کی حیثیت سے پہچانا جائے گا چنانچہ آگے آیت ۴۱ میں اس کو صراحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔

۳۶۔ یعنی جہنم میں جلتے ہوئے جب انہیں شدت کی پیاس محسوس ہوگی تو وہ پانی کی طرف دوڑیں گے مگر پانی بھی ایسا گرم ہوگا کہ بالکل کھولتا ہوا۔ اس طرح وہ جہنم میں آگ اور کھولتے ہوئی پانی کے درمیان چکر کاٹتے رہیں گے۔

اللہ نے جہنم کو اپنے غضب کا کیسا نشان بنایا ہے اور اس میں کیسی دردناک سزائیں رکھی ہیں۔ یہ بھی اللہ کی قدرت کے عجائب ہی میں سے ہے۔

۳۷۔ اپنے رب کے حضور پیشی کا ڈر گناہوں سے بچاتا اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ ڈر جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی کردار صالح ہوگا۔

اللہ کے حضور پیشی سے ڈرنے والے جنت میں داخل ہوں گے جہاں ہر شخص کو دو باغ دئے جائیں گے۔ دو باغ دو قسم کے ہوں گے تاکہ وہ خوب محظوظ ہو۔

۳۸۔ اللہ کی نوازشوں کا انکار کرنے والے انکار ہی کرتے رہیں مگر سن لو کہ اللہ کیسی کیسی نوازشوں سے اپنے بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہے سرفراز کرنے والا ہے۔

۳۹۔ جب درخت اور ان کی ڈالیاں بہ کثرت ہوں گی تو پھل بھی بہ کثرت ہوں گے نیز باغوں کی رونق میں بھی اضافہ ہوگا۔

۴۰۔ یعنی ہر باغ میں ایک چشمہ ہوگا جو اس کو سرسبز اور شاداب رکھے گا۔

۴۱۔ جس طرح باغ دو قسم کے ہوں گے اسی طرح ان کے میوے بھی دو قسم کے ہوں گے اپنی لذت اور اپنی دیگر خصوصیات کے اعتبار سے۔

۴۲۔ جب استر موٹے ریشم کا ہوگا تو بالائی حصہ کتنا نفیس ہوگا!

۴۳۔ یعنی ان باغوں کی ڈالیوں میں پھل جھکے پڑے ہوں گے تاکہ آسانی سے ان کو توڑا جاسکے۔ دنیا میں کتنے ہی درختوں کے پھل اونچائی پر ہوتے ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے مگر جنت کے درختوں اور ان کے پھلوں کی شان ہی نرالی ہوگی۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝٥٦
۵۶ ان میں شرمیلی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی جن کو ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہوگا۔ ۴۴ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٥٧
۵۷ توتم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کروگے!

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝٥٨
۵۸ گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ ۴۵ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٥٩
۵۹ توتم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کروگے!

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝٦٠
۶۰ بھلائی کا بدلہ بھلائی کے سوا اور کیا ہوگا! ۴۶ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦١
۶۱ توتم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کروگے!

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝٦٢
۶۲ ان کے علاوہ دو باغ اور بھی ہوں گے۔ ۴۷ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٣
۶۳ توتم اپنے رب کے کن کن انعامات کا انکار کروگے! ۴۸ے

مُدْهَآمَّتٰنِ ۝٦٤
۶۴ دونوں گہرے سبز۔ ۴۹ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٥
۶۵ توتم اپنے رب کے کن کن کرشموں کا انکار کروگے! ۵۰ے

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝٦٦
۶۶ ان میں دو چشمے ہوں گے جوش مارتے ہوئے۔ ۵۱ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٧
۶۷ توتم اپنے رب کے کن کن کمالات کا انکار کروگے!

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝٦٨
۶۸ ان میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔ ۵۲ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦٩
۶۹ توتم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے!

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝٧٠
۷۰ ان میں خوش اخلاق حسینائیں ہوں گی۔ ۵۳ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧١
۷۱ توتم اپنے رب کی کن کن نوازشوں کا انکار کروگے!

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝٧٢
۷۲ حوریں خیموں میں ٹھہری ہوئی۔ ۵۴ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٣
۷۳ توتم اپنے رب کے کن کن انعامات کا انکار کروگے! ۵۵ے

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝٧٤
۷۴ ان کو ان (جنتیوں) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٥
۷۵ توتم اپنے رب کے کن کن انعامات کا انکار کروگے!

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝٧٦
۷۶ نہایت نفیس اور سبز مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ۵۶ے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٧
۷۷ توتم اپنے رب کے کن کن انعامات کا انکار کروگے!

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٧٨
۷۸ بڑی برکت والا ہے تمہارے رب کا نام جو جلال اور بزرگی والا ہے۔ ۵۷ے

۴۴ ۔ نیچی نگاہیں رکھنا شرم وحیا کی تعبیر ہے اور شرم وحیاء عورتوں کا اعلیٰ وصف اور ان کی زینت ہے ۔ جنت کی حوریں بالکل پاک دامن، عفت مآب اور شرم وحیاء کا پیکر ہوں گی ۔ انسان کیلئے جو حوریں ہوں گی ان کو ان جنتیوں کو ملنے سے پہلے کسی انسان نے چھوا تک نہ ہوگا وہ بالکل باکرہ ہوں گی ۔ اسی طرح جنوں کو جو حوریں ملیں گی ان کو ان جنتی جنوں کو ملنے سے پہلے کسی جن نے ہاتھ نہ لگایا ہوگا ۔ یہ حوریں انس کیلئے انسیات اور جن کے لئے جنیات میں سے ہوں گی ۔ کیونکہ انس وجن دو الگ الگ جنس ہیں اور ہر جنس اپنی ہی جنس کے مقابل کی طرف مائل ہوتی ہے ۔

ان آیتوں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جنت جس طرح اللہ سے ڈرنے والے انسانوں کو ملے گی اسی طرح اس سے ڈرنے والے جنوں کو بھی ملے گی ۔

۴۵ ۔ جنت کے حوروں کو یاقوت اور مرجان سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

یاقوت (Ruby) ایک نہایت قیمتی ہیرا ہوتا ہے جس کا رنگ سُرخ ہوتا ہے ۔ یہ ہیرا بہت صاف اور روشن اور نہایت خوبصورت ہوتا ہے ۔ مرجان بھی جواہرات میں سے ہے اور زیورات میں گلابی رنگ کا مرجان استعمال ہوتا ہے ۔ گویا جنت کی حوریں اپنی نفاست، اپنی گوری اور گلابی رنگت اور حسن و جمال میں یاقوت و مرجان ہوں گی ۔

۴۶ ۔ یعنی اچھے عمل کی جزاء اللہ کے ہاں اچھی ہی ہے ۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ نیکی کی روش اختیار کرنے والے کا انجام بُرا ہو ۔ خوب کار کو بہترین صلہ ہی ملے گا ۔

۴۷ ۔ اوپر جن دو باغوں کا ذکر ہوا وہ ان دو باغوں پر فوقیت رکھتے ہوں گے جن کا ذکر اب ہو رہا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور پیشی سے ڈرنے والوں کو ان کے مرتبہ کے لحاظ سے جنت میں باغ عطا کئے جائیں گے ۔ پہلے دو باغ مقربین کے لئے ہوں گے اور دوسرے دو باغ عام صالحین کے لئے ۔ اس کی تائید سورۂ واقعہ کی تصریحات سے ہوتی ہے جس میں مقربین اور اصحابِ یمین (داہنے ہاتھ والے) کے لئے الگ الگ انعامات بیان ہوئے ہیں ۔

۴۸ ۔ یعنی جو جزا کے قائل نہیں ہیں وہ ان انعامات کا بھی جن سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو نوازنے والا ہے انکار ہی کریں گے ۔

۴۹ ۔ گہرے سبز رنگ کے باغ سے اشارہ ان کے نہایت سرسبز وشاداب اور خوشنما ہونے کی طرف ہے ۔

۵۰ ۔ جنت کے ان باغوں کا ہمیشہ سرسبز وشاداب رہنا اللہ کی قدرت کا کتنا بڑا کرشمہ ہوگا!

۵۱ ۔ یعنی جنت کے ان باغوں میں پانی کی کوئی کمی نہیں ہوگی ۔ ایسے چشمے ہوں گے جن سے پانی ابل رہا ہوگا اور یہ درحقیقت اللہ کی رحمت ہوگی جو ابل رہی ہوگی ۔

۵۲ ۔ کھجور اور انار میوؤں میں شامل ہیں لیکن ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا کیونکہ کھجور سب سے زیادہ شیریں اور لذیذ میوہ ہے اور انار فرحت بخش ۔

۵۳ ۔ یعنی ان میں باطنی خوبیاں بھی ہوں گی اور ظاہری حسن بھی ۔

۵۴ ۔ حُور کی تشریح سورۂ دخان نوٹ ۵۵ ۔ میں گزر چکی ۔

جنت کے خیمے نہایت شاندار ہوں گے ان کو دنیا کے خیموں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ ان خیموں میں حوریں قیام پذیر ہوں گی جو اپنے شوہروں ہی سے واسطہ رکھیں گی ۔ رہیں اہل جنت کی نیک بیویاں تو وہ اپنے شوہروں کے ساتھ ان کے محل میں ہوں گی ۔

۵۵۔ آج بھی آخرت کے منکرین جب جنت کی حوروں کا ذکر سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض دل بہلانے کی باتیں ہیں، حالانکہ انسانی فطرت ایسی ہی جنت کی خواہشمند ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے متقی بندوں کو نعمتوں بھری جنت میں داخل کرے گا جہاں اسکی تمام خواہشیں اور تمام آرزوئیں پوری ہوں گی۔

۵۶۔ سبز رنگ خوبصورت اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوتا ہے۔ جنت کی مندیں اس کے جمال کا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہی ہوں گی اور ان پر اہل جنت کا تکیہ لگائے بیٹھنا ان کی شان بادشاہی کا مظہر ہوگا۔

۵۷۔ اللہ جلال والا ہے اس لئے اس کے حضور پیشی سے تمہیں ڈرنا چاہئے، اور وہ بزرگی والا ہے اس لئے اس کے کمالات اور اس کی کرشمہ سازیوں پر بھی یقین رکھنا چاہئے۔

اس کے نام کی یہ برکت ہے کہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے اور اس نے اپنے نیک بندوں کے لئے آخرت میں جو خیر اور برکتیں رکھی ہیں وہ ایسی ہیں کہ وہ نہال ہو جائیں گے۔ اس کے کمالات اور اس کی کرشمہ سازیوں کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن کو اس کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہے اور جو اس کے احسانات کے قدر داں نہیں ہیں۔

۵۶۔الواقعة

نام پہلی آیت میں **الواقعۃ** یعنی واقع ہونے والی (قیامت) کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام '**الواقعة**' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون قیامت اور جزاوسزا کے احوال کو پیش کرنا اور اس کا یقین پیدا کرنا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۶ میں قیامت کے ہولناک واقعہ سے خبردار کیا گیا ہے۔

آیت ۷ تا ۵۶ میں آگاہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔پھر ہر گروہ کا انجام وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۵۷ تا ۷۴ میں وہ حقیقتیں بیان کی گئی ہیں جن سے جزاوسزا کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

آیت ۷۵ تا ۹۶ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں،جن میں قرآن سے بے اعتنائی برتنے والوں کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ ہوش میں آؤ اور دیکھو کہ قرآن جو تمہیں قیامت کے احوال اور جزاوسزا سے آگاہ کر رہا ہے سر تا سر وحی الٰہی ہے،جس میں شیطان کے لئے دخل اندازی کا کوئی موقع نہیں۔

اخیر میں موت کے وقت کی بے بسی کا حال بیان کرتے ہوئے آخری انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الوَاقِعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾

فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾

وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾

فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾

وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾

أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾

وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ ﴿١٤﴾

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾

مُّتَّكِـِٔيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾

بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾

٥٦۔ سورۃ الواقِعۃ

آیات:٩٦

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

١ جب واقع ہونے والی واقع ہوگی۔ ١؎

٢ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ ٢؎

٣ پست کردینے والی اور بلند کردینے والی۔ ٣؎

٤ جب زمین شدید اضطراب کے ساتھ لرزنے لگے گی۔ ٤؎

٥ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے۔

٦ اور وہ غبار بن کر اڑنے لگیں گے۔ ٥؎

٧ اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہوجاؤ گے۔ ٦؎

٨ تو داہنے ہاتھ والے ٧؎۔ کیا ہیں داہنے ہاتھ والے!

٩ اور بائیں ہاتھ والے ٨؎۔ کیا ہیں بائیں ہاتھ والے!

١٠ اور سبقت کرنے والے، تو ہیں ہی سبقت کرنے والے۔ ٩؎

١١ وہ مُقرب ہیں۔ ١٠؎

١٢ نعمت کے باغوں میں۔ ١١؎

١٣ بڑا گروہ اگلوں میں سے ہوگا۔

١٤ اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔ ١٢؎

١٥ مُرصَّع (جڑے ہوئے) تختوں پر۔ ١٣؎

١٦ آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوئے۔ ١٤؎

١٧ ان کے پاس گردش کریں گے ایسے لڑکے جو ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے۔ ١٥؎

١٨ پیالے اور جگ اور بہتی ہوئی شراب کے جام لئے ہوئے۔ ١٦؎

١٩ جس سے نہ سر درد ہو، اور نہ عقل جاتی رہے۔ ١٧؎

٢٠ اور میوے جو وہ پسند کریں۔ ١٨؎

۱۔ مراد قیامت ہے جو لازماً واقع ہوگی۔

۲۔ قیامت کے واقع ہونے میں نہ کوئی چیز مانع ہوسکتی ہے اور نہ کوئی طاقت اسے ٹال سکتی ہے اور نہ ہی یہ خبر جھوٹی ہوسکتی ہے۔ اس کا واقع ہونا بالکل حق ہے۔

قیامت صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ بن کر سامنے آنے والی ہے لہٰذا ہر شخص کو اپنے مستقبل کی فکر کرنا چاہئے۔ مگر موجودہ دور کا تعلیمی، تمدنی، معاشی اور سیاسی نظام انسان کو دنیا ہی میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے جب تک قیامت کی شدت کا احساس نہیں اُبھرتا اس کا زاویۂ نظر بدل نہیں سکتا۔

۳۔ یعنی قیامت کتنوں کو پست کردے گی اور کتنوں کو بلند کردے گی۔ جو لوگ دنیا میں بلند مقام پر تھے درآنحالیکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے انہیں قیامت پستی میں ڈال دے گی اور جو لوگ دنیا میں بلند مقام حاصل نہیں کرسکے تھے درآنحالیکہ وہ اس کے مستحق تھے انہیں قیامت رفعت اور بلندی عطا کرے گی۔ اس طرح قیامت کی گھڑی اپنے ساتھ انسانی سوسائٹی کے لئے زبردست انقلاب لائے گی اور عزت وذلت کے لئے نئے پیمانے اور نئے معیار قائم ہوں گے۔

۴۔ قیامت کا زلزلہ زمین کو اس طرح ہلادے گا کہ وہ لرزنے لگے گی اور شدید گھبراہٹ کا عالم ہوگا۔ سورۂ حج کی ابتدائی آیتوں میں اس اضطراب کا نقشہ پیش کیا گیا ہے نیز سورۂ زلزال میں بھی زلزلہ کے نتیجہ میں پیش آنے والے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

۵۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو دیکھ کر تنگ نظر انسان یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ زمین ہمیشہ اسی طرح رہے گی لیکن قرآن ایک عظیم انقلاب کی خبر دے رہا ہے جو اس زمین پر واقع ہوگا۔ قیامت کی گھڑی جب آئے گی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر غبار کی طرح ہوا میں اڑنے لگیں گے۔ پہاڑوں کو اس لئے ہٹایا جائے گا تاکہ زمین ایک چٹیل میدان بن جائے اور حشر برپا ہو۔

۶۔ یہ تین گروہ کون سے ہوں گے ان کا ذکر آگے ہوا ہے۔

۷۔ مراد مؤمنین صالحین ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انشقاق نوٹ ۷۔

واضح رہے کہ قرآن نے یہاں اس بات کی صراحت نہیں کی کہ فاسق مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا کیونکہ اول تو جس زمانہ میں اس سورہ کا نزول ہوا ہے اس وقت نبی ﷺ کے پیروکاروں میں بدعمل اور فاسق مسلمانوں کا کوئی گروہ موجود نہیں تھا دوسرے ترغیب اور ترہیب کے پہلو سے مخلص مؤمنین کی جزاء اور مجرم کافرین کی سزا کو ایک دوسرے کے مقابل بیان کرنا حکمت ومصلحت کا تقاضا تھا۔ قرآن نے دوسرے مقامات پر مخصوص شرائط کے ساتھ شفاعت کے قبول کئے جانے کا ذکر کیا ہے اور ایسے لوگوں کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اور معلوم نہیں قیامت کے دن کیسے کیسے کٹھن حالات اور سزاؤں سے گزرنے کے بعد ان لوگوں کے لئے شفاعت کا مرحلہ آئے گا۔

۸۔ مراد کافر اور مجرم ہیں جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔

۹۔ یعنی جو لوگ ایمان لانے کے بعد نیکی میں سبقت لے گئے اور دین کیلئے قربانیاں دینے میں پیش پیش رہے وہ انعام پانے والوں میں اول درجہ کے لوگ ہوں گے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ توبہ نوٹ ۱۸۰۔

۱۰۔ یعنی ان لوگوں کو اللہ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا اور مقرب ہونے کا اعزاز سب سے بڑا اعزاز ہوگا۔

۱۱۔ یعنی جنت کے نعمت بھرے باغوں میں وہ عیش وعشرت کے ساتھ رہیں گے۔

۱۲۔ مقربین کا ذکر ہوا تو نبی ﷺ کے مخلص پیروؤں کو اس بات کی بشارت سنا دی گئی کہ اس امت کے دورِ اول کے لوگوں میں سے ایک بڑی تعداد مقربین کی ہوگی اور بعد کے لوگوں میں بھی مقربین ہوں گے۔ لیکن تعداد میں کم۔ چنانچہ صحابہ کرام میں اپنے خلوص، اپنے نیک سیرت ہونے اور دین کے لئے قربانیاں دینے کے اعتبار سے بلند مقام رکھنے والے لوگ زیادہ تھے اور بعد والوں میں اس معیار کے لوگ کم ہوتے چلے گئے۔ ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُم۔

''بہترین لوگ میرے دور کے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔''

۱۳۔ یعنی یہ تخت شاہی تخت ہوں گے جو جواہرات سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

۱۴۔ یعنی شاہانہ شان کے ساتھ ان تختوں پر ٹیک لگائے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنتیوں کی مجلسیں کیسی آراستہ اور شائستہ ہوں گی۔ کوئی کسی سے نہ منہ پھیرے گا اور نہ پیٹھ، بلکہ سب ہنسی خوشی دوستانہ ماحول میں رہ رہے ہوں گے۔

۱۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طور نوٹ ۲۴۔

۱۶۔ یعنی ان کی تواضع کے لئے یہ لڑکے مشروبات سے لبریز جگ لئے حاضر ہوں گے اور پیالوں میں انہیں پیش کریں گے اور چھلکتے ہوئے جام بھی جو شرابِ خالص کے بہتے ہوئے چشمے سے لبریز ہوں گے۔

۱۷۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ صافات نوٹ ۳۹۔

۱۸۔ یعنی جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے جن میں سے وہ اپنے ذوق اور اپنی پسند کے میوے چن لیں گے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طور نوٹ ۲۲۔

اور داہنے ہاتھ والے، تو (کیا شان ہے) داہنے ہاتھ والوں
کی۔ وہ بے خار بیریوں میں ہوں گے۔ اور تہ بہ تہ کیلوں۔
اور پھیلی ہوئی چھاؤں۔ اور آبِ رواں۔ اور بہ کثرت پھلوں
میں۔ جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا۔
اور اونچے بستروں میں ہوں گے۔ ان (کی بیویوں) کو ہم
نے خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ اور ان کو باکرہ بنایا ہوگا۔
پیاری اور ہم عمر۔ (القرآن)

وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُونَ ﴿٢١﴾	۲۱ اور پرندوں کے گوشت جو ان کو مرغوب ہوں۔ ۱۹؎
وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾	۲۲ اور ان کے لئے حسین چشم حوریں ہوں گی۔ ۲۰؎
كَأَمۡثَٰلِ ٱللُّؤۡلُوِٕ ٱلۡمَكۡنُونِ ﴿٢٣﴾	۲۳ جیسے محفوظ موتی۔ ۲۱؎
جَزَآءَۢ بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ﴿٢٤﴾	۲۴ جزاء ان کے ان اعمال کی جو وہ کرتے رہے۔ ۲۲؎
لَا يَسۡمَعُونَ فِيهَا لَغۡوٗا وَلَا تَأۡثِيمًا ﴿٢٥﴾	۲۵ وہ وہاں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ کی کوئی بات۔ ۲۳؎
إِلَّا قِيلٗا سَلَٰمٗا سَلَٰمٗا ﴿٢٦﴾	۲۶ بس سلامتی ہی سلامتی کی باتیں ہوں گی۔ ۲۴؎
وَأَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ مَآ أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ ﴿٢٧﴾	۲۷ اور داہنے ہاتھ والے، تو (کیا شان ہے) داہنے ہاتھ والوں کی۔ ۲۵؎
فِي سِدۡرٖ مَّخۡضُودٖ ﴿٢٨﴾	۲۸ وہ بے خار بیریوں میں ہوں گے۔ ۲۶؎
وَطَلۡحٖ مَّنضُودٖ ﴿٢٩﴾	۲۹ اور تہ بہ تہ کیلوں۔ ۲۷؎
وَظِلّٖ مَّمۡدُودٖ ﴿٣٠﴾	۳۰ اور پھیلی ہوئی چھاؤں۔ ۲۸؎
وَمَآءٖ مَّسۡكُوبٖ ﴿٣١﴾	۳۱ اور آب رواں۔ ۲۹؎
وَفَٰكِهَةٖ كَثِيرَةٖ ﴿٣٢﴾	۳۲ اور بہ کثرت پھلوں میں۔
لَّا مَقۡطُوعَةٖ وَلَا مَمۡنُوعَةٖ ﴿٣٣﴾	۳۳ جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا۔ ۳۰؎
وَفُرُشٖ مَّرۡفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾	۳۴ اور اونچے بستروں میں ہوں گے۔ ۳۱؎
إِنَّآ أَنشَأۡنَٰهُنَّ إِنشَآءٗ ﴿٣٥﴾	۳۵ ان (کی بیویوں) کو ہم نے خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔
فَجَعَلۡنَٰهُنَّ أَبۡكَارًا ﴿٣٦﴾	۳۶ اور ان کو باکرہ بنایا ہوگا۔ ۳۲؎
عُرُبًا أَتۡرَابٗا ﴿٣٧﴾	۳۷ پیاری ۳۳؎ اور ہم عمر۔ ۳۴؎
لِّأَصۡحَٰبِ ٱلۡيَمِينِ ﴿٣٨﴾	۳۸ داہنے ہاتھ والوں کے لئے۔ ۳۵؎
ثُلَّةٞ مِّنَ ٱلۡأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾	۳۹ وہ اگلوں میں سے بڑی تعداد میں ہوں گے۔
وَثُلَّةٞ مِّنَ ٱلۡأٓخِرِينَ ﴿٤٠﴾	۴۰ اور بعد والوں میں سے بھی بڑی تعداد میں۔ ۳۶؎
وَأَصۡحَٰبُ ٱلشِّمَالِ مَآ أَصۡحَٰبُ ٱلشِّمَالِ ﴿٤١﴾	۴۱ اور بائیں ہاتھ والے! کیا حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا! ۳۷؎
فِي سَمُومٖ وَحَمِيمٖ ﴿٤٢﴾	۴۲ وہ لُو کی لپٹ، کھولتے ہوئے پانی۔
وَظِلّٖ مِّن يَحۡمُومٖ ﴿٤٣﴾	۴۳ اور کالے دھوئیں کے سایہ (میں ہوں گے)۔
لَّا بَارِدٖ وَلَا كَرِيمٍ ﴿٤٤﴾	۴۴ جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ مفید۔ ۳۸؎
إِنَّهُمۡ كَانُواْ قَبۡلَ ذَٰلِكَ مُتۡرَفِينَ ﴿٤٥﴾	۴۵ یہ لوگ اس سے پہلے خوش حال تھے۔ ۳۹؎

۱۹۔ یعنی جن پرندوں کے گوشت کی انہیں اشتہاء اور رغبت ہوگی وہ ان کو مل جائے گا۔

۲۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طور نوٹ ۱۸۔

۲۱۔ یعنی ایسے موتی جن کو کسی نے چھوا نہ ہو۔ نہایت صاف اور چمکدار۔

۲۲۔ یہ سب کچھ ان کو ان کے اعمال کی جزا کے طور پر دیا جائے گا۔ اور جب وہ اپنے اعمال کی جزا کے طور پر جنت کی ان نعمتوں کو پائیں گے تو خوشی سے جھوم اٹھیں گے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔

۲۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نباء نوٹ ۲۲۔

۲۴۔ یعنی ہر طرف انہیں سلام کا تحفہ پیش کیا جائے گا اور جو باتیں بھی وہاں ہوں گی سلامتی ہی کی باتیں ہوں گی۔ کوئی بات بھی ایسی نہیں ہوگی جو معیوب ہو یا جس سے کسی کو اذیت پہنچے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہوگی جب کہ دنیا میں ایسا ماحول کسی کو بھی میسر نہیں۔

۲۵۔ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی بہ نسبت مضبوط ہوتا ہے۔ اسے سعادت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ قیامت کے دن جن لوگوں کو ان کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ بڑے مبارک لوگ ہوں گے۔

۲۶۔ بیری کے جس درخت کے کانٹے کم ہوتے ہیں ان کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے اور بیر کی اہم خصوصیات یہ ہے کہ اس کی خوشبو بہت میٹھی ہوتی ہے اور جنت کے بے خار بیروں کا کیا کہنا! دنیا کے بیروں سے تو ان کا ایک ہلکا سا تصور ہی بندھتا ہے۔

۲۷۔ کیلا ایک میٹھا اور لذیذ پھل ہے اور جنت کے کیلے کے ذائقہ کا کیا کہنا! اور ان کا تہ بہ تہ ہونا ان کے پیدا کرنے میں سلیقہ مندی کو ظاہر کر رہا ہوگا اور نظروں میں خوب جچ رہا ہوگا۔

۲۸۔ جنت کے درخت کا سایہ کتنا لمبا ہوگا اس کا اندازہ حدیثِ نبوی سے ہوتا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِأَةَ عَامٍ لَا یَقْطَعُهَا۔

''جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر سوار اس کے سایہ میں سو سال تک چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہوگا'' (بخاری کتاب التفسیر)

۲۹۔ یعنی جنت میں پانی کی فراوانی ہوگی وہاں ہمیشہ پانی بہتا رہے گا۔

۳۰۔ جنت کے پھلوں کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ دنیا میں پھل اپنے اپنے موسم میں پیدا ہوتے ہیں لیکن جنت میں سدا بہار درخت ہوں گے اور ان کے پھل ہر وقت ملتے رہیں گے۔ پھر وہاں پھل حاصل کرنے کے لئے کوئی روک ٹوک بھی نہیں ہوگی نہ کوئی قانون ان کے حصول میں مانع ہوگا اور نہ ملکیت کا کوئی سوال ہی پیدا ہوگا۔ ہر جنتی کسی بھی رکاوٹ کے بغیر وافر پیمانہ پر پھل حاصل کر سکے گا۔

۳۱۔ جن سے ان کی رفعتِ شان کا اظہار ہو رہا ہوگا۔

۳۲۔ یعنی خواتین جنت کو موزوں ترین جسم عطا کئے جائیں گے۔ ان کو کنواری بنایا جائے گا خواہ وہ دنیا میں اولاد والی کیوں نہ رہی ہوں۔

۳۳۔ یعنی اپنے شوہر سے پیار کرنے والی اور پیاری صورت والی، شوہر کی نظر میں محبوب۔

۳۴۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ص نوٹ ۶۷۔

۳۵۔ یعنی یہ حسین و جمیل عورتیں داہنے ہاتھ والوں کے لئے ہوں گی۔ جو نیک عورتیں نیک مردوں کے نکاح میں تھیں وہ جنت میں بھی ان کو ملیں گی اور جن مردوں کی عورتیں نیک نہیں تھیں ان کی زوجیت میں دوسری نیک عورتیں دی جائیں گی۔

تفصیلات اور جزئیات میں گئے بغیر سمجھنے کے لئے اتنی بات کافی ہے۔

۳۶۔ یعنی داہنے ہاتھ والے اس امت کے اول لوگوں میں سے بڑی تعداد میں ہوں گے اور بعد والوں میں سے بھی بڑی تعداد میں ۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس امت میں قیامت تک نیک لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو جنت کے مستحق بنیں گے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ قرآن نے جنت کی بشارت متقیوں ہی کو سنائی ہے اور داہنے ہاتھ والے متقی ہی ہوں گے۔

۳۷۔ یعنی جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا ان کا حال بہت بُرا ہوگا۔

۳۸۔ سایہ ٹھنڈا اور خوشگوار ہوتا ہے لیکن یہ سایہ کالے دھوئیں کا ہوگا جس سے نہ ٹھنڈک حاصل ہو سکے گی اور نہ وہ خوشگوار ہوگا۔

سورۂ مرسلات میں فرمایا ہے:

لَا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ

''ایسا سایہ جو سایہ دار نہ ہوگا اور نہ شعلوں سے بچا سکے گا۔'' (مرسلات:۳۱)

۳۹۔ یعنی دنیا میں وہ خوشحال تھے اس لئے چاہئے تھا کہ وہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے لیکن انہوں نے اپنی خوشحالی کو کفر کا ذریعہ بنایا۔

اور کہتے تھے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی؟ کہو یقیناً اگلے اور پچھلے۔ سب ایک مقرر دن کی میقات پر جمع کئے جائیں گے۔ (القرآن)

وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾

۴۶ اور بہت بڑے گناہ پر اصرار کرتے رہے۔[۴۰]

وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٤٧﴾

۴۷ اور کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوکر رہ جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے؟[۴۱]

أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿٤٨﴾

۴۸ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی؟

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٩﴾

۴۹ کہو یقیناً اگلے اور پچھلے۔

لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿٥٠﴾

۵۰ سب ایک مقررہ دن کی میقات پر جمع کیئے جائیں گے۔[۴۲]

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥١﴾

۵۱ پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو!

لَآكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾

۵۲ تم زقوم کے درخت کی غذا کھاؤ گے۔[۴۳]

فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾

۵۳ اسی سے پیٹ بھرو گے۔

فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾

۵۴ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے۔

فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ﴿٥٥﴾

۵۵ اس طرح پیو گے جس طرح تو نسے (پیاسے) اونٹ پیتے ہیں۔[۴۴]

هَٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿٥٦﴾

۵۶ یہ ہے ان کی ضیافت[۴۵]، جزا کے دن۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، تو تم سچ کیوں نہیں مانتے؟[۴۶]

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ کیا تم نے غور کیا جو منی تم ڈالتے ہو۔

أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹ اس کو (انسان کی) شکل تم دیتے ہو یا ہم دیتے ہیں؟[۴۷]

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾

۶۰ ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کی ہے[۴۸]، اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

۶۱ اس بات سے کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور تمہیں ایسی مخلوق بنا دیں جن کو تم نہیں جانتے۔[۴۹]

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

۶۲ اپنی پہلی پیدائش کو تم جانتے ہو، پھر کیوں یاددہانی حاصل نہیں کرتے۔[۵۰]

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾

۶۳ کیا تم نے غور کیا اس چیز پر جو تم بوتے ہو؟

أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٦٤﴾

۶۴ اس سے کھیتی تم اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں؟[۵۱]

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾

۶۵ ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر کے رکھ دیں۔ اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔

إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾

۶۶ کہ ہم تو تاوان میں پڑ گئے۔

۴۰ ۔ بڑے گناہ سے مراد شرک ہے ۔ یہ لوگ شرک اور بت پرستی سے باز آنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے بلکہ اس کے جائز ہونے پر انہیں اصرار رہا اور اس پر مرتے دم تک جمے رہے ۔

۴۱ ۔ قبر میں دفن ہو جانے کے بعد جسم کا گوشت کچھ ہی دنوں میں خاک میں مل جاتا ہے اور صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں ۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ جب مرنے والے کا جسم ہی باقی نہیں رہا تو پھر اسے کس طرح قیامت کے دن اٹھا کھڑا کیا جائے گا ۔ انہوں نے اللہ کی قدرت کا غلط تصور قائم کر رکھا تھا اور اللہ اپنے رسول کے ذریعہ ان کے دوبارہ اٹھائے جانے کی جو خبر دے رہا تھا اس کو بھی وہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے ۔ اس طرح وہ جرم پر جرم کے مرتکب ہوئے ۔

بائیں ہاتھ والوں کے دو سنگین جرائم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ایک شرک اور کفر اور دوسرے آخرت سے انکار ۔

۴۲ ۔ یعنی آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان بالفاظ دیگر پوری نوعِ انسانی کو قیامت کے دن اٹھا کھڑا کیا جائے گا ۔ یہ دوسری زندگی انہیں اس لئے بخشی جائے گی تاکہ اپنی پہلی زندگی میں کئے کا وہ پھل پائیں ۔

۴۳ ۔ زقوم کی تشریح سورۂ صافات نوٹ ۵۱ ۔ میں گزر چکی ۔

۴۴ ۔ ھِیم (تونسے ہوئے) ان اونٹوں کو کہتے ہیں جو پیاس کے شدت کی بیماری میں مبتلا ہوں ۔ ایسا اونٹ کتنا ہی پانی پیئے اس کی پیاس بجھتی نہیں ہے ۔ یہی حال ان دوزخیوں کا ہوگا ، وہ گرم پر گرم پانی پئیں گے مگر ان کی پیاس بجھنے والی نہیں ۔

۴۵ ۔ یعنی ان مجرموں کا استقبال قیامت کے دن ان سزاؤں سے کیا جائے گا ۔ یہ طنزیہ کلام ہے اس بات کو واضح کرنے کے لئے کہ ان لوگوں کے جرائم اتنے سنگین تھے کہ ان کے انعام پانے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ۔ ان کو کڑی سزائیں ہی بھگتنا ہوں گی ۔

۴۶ ۔ یعنی جب یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ تمہارا خالق اللہ ہی ہے تو پھر وہ تمہیں روز جزاء سے خبردار کرتے ہوئے تمہاری رہنمائی کے لئے جو وحی نازل کر رہا ہے اس کو سچ کیوں نہیں مانتے ؟

اس آیت سے آیت ۷۱ تک توحید اور روز جزاء کا انکار کرنے والوں سے متعدد سوالات کئے گئے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں ۔

۴۷ ۔ یعنی تم تو صرف رحم میں حقیر پانی کی بوند ڈال دیتے ہو اس کے بعد اس بوند کو جن مراحل سے گزار کر بچہ کی شکل دی جاتی ہے اور پھر اس میں جس طرح جان ڈال کر اسے باصلاحیت انسان بنا دیا جاتا ہے وہ کیا تمہاری اپنی کارفرمائی ہے یا تمہارے رب کی ؟

۴۸ ۔ موت لازماً ہر انسان کو آتی ہے جو اس کی بے بسی اور اللہ کی قدرت و غلبہ کا واضح ثبوت ہے ۔

۴۹ ۔ یعنی جو ہستی تمہاری موت پر قادر ہے وہ تمہاری شکلوں کو بدلنے اور تمہیں ایک دوسری مخلوق کا روپ دینے پر بھی قادر ہے ۔

۵۰ ۔ یعنی اگر پہلی بار انسان کو پیدا کرنا اللہ کے لئے ممکن ہوا تو دوسری بار پیدا کرنا کیوں ناممکن ہوگا ؟ اگر مٹی سے انسان پیدا کیا جاسکتا ہے تو دوبارہ اسی مٹی سے اسے کیوں نہیں اٹھا کھڑا کیا جاسکتا ۔

۵۱ ۔ یعنی تم تو صرف بیج بونے کا کام کرتے ہو اس سے لہلہاتی فصل پیدا کرنا اللہ ہی کا کام ہے ۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾	٦٧ بلکہ ہم محروم ہو کر رہ گئے۔ ۵۲ ـ
أَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾	٦٨ کیا تم نے اس پانی پر غور کیا جو تم پیتے ہو؟
ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾	٦٩ کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں؟ ۵۳ ـ
لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾	٧٠ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا بنا کر رکھ دیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے! ۵۴ ـ
أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾	٧١ تم نے اس آگ پر بھی غور کیا جس کو تم سلگاتے ہو۔
ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٧٢﴾	٧٢ اس کا درخت ۵۵ ـ تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟
نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾	٧٣ ہم نے اس کو یاددہانی کا ذریعہ ۵۶ ـ اور مسافروں کے لئے مفید چیز بنایا ہے۔ ۵۷ ـ
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾	٧٤ تو (اے نبی) تم اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کرو۔ ۵۸ ـ
فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾	٧٥ نہیں۔ ۵۹ ـ میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات کی۔ ٦٠ ـ
وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾	٧٦ اور یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو۔ ٦١ ـ
إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾	٧٧ بلاشبہ یہ ایک عزت والا قرآن ہے۔ ٦٢ ـ
فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾	٧٨ ایک محفوظ کتاب میں۔ ٦٣ ـ
لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾	٧٩ اس کو نہیں چھوتے مگر پاکیزہ۔ ٦٤ ـ
تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾	٨٠ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔
أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾	٨١ پھر کیا تم اس کلام سے سہل انگاری برتتے ہو۔ ٦٥ ـ
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾	٨٢ اور (اس نعمت میں) اپنا حصہ یہ رکھتے ہو کہ اسے جھٹلاؤ؟
فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾	٨٣ تو کیوں نہیں (کچھ کر پاتے) جب جان حلق تک پہنچتی ہے۔ ٦٦ ـ
وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾	٨٤ اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ٦٧ ـ

۵۲۔ یعنی فصل کو تباہ کر دیں پھر تم افسوس کرنے لگو کہ ہم اس نقصان سے زیر بار ہو گئے بلکہ فائدہ سے یکسر محروم ہو کر رہ گئے۔

۵۳۔ بادلوں سے پانی برسانا تا کہ پینے کے کام آئے اللہ ہی کا کام ہے۔ موجودہ زمانہ میں سائنس کی ترقی سے انسان اگر اس قابل ہوا ہے کہ کسی مقام پر بادلوں سے پانی برسائے تو یہ بھی اللہ ہی کی بخشی ہوئی صلاحیت ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بادلوں کو سمندروں سے اٹھانے ان کو ہواؤں کے دوش پر سوار کرا کے فضا میں بکھیرنے اور دنیا کے مختلف خطوں میں پانی برسانے پر انسان قادر ہو گیا ہے۔ یہ نظام انسان کی دسترس سے بالکل باہر ہے۔ اس کو اپنی کوششوں میں جو کامیابی ہوئی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسے کوئی غبارہ میں ہوا بھر دے اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ ہوا پر اسے تصرف حاصل ہو گیا ہے!

۵۴۔ سمندر کا پانی کھاری اور کڑوا ہوتا ہے لیکن جب بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس میں نمک کے اجزاء شامل نہیں ہوتے اس لئے بادلوں سے جو پانی برستا ہے وہ خالص ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جس کا انسان رات دن مشاہدہ کرتا ہے پھر اس میں اپنے رب کے لئے شکر کا احساس کیوں نہیں ابھرتا؟ اگر اللہ چاہے تو سمندر سے اٹھنے والے بادلوں میں نمک کے اجزاء شامل کر سکتا ہے اور کڑوے پانی کی بارش ہو سکتی ہے۔

۵۵۔ اس زمانہ میں 'مَرْخ اور عفار' کے نام سے دو درخت پائے جاتے تھے جن کی ٹہنیوں کو رگڑ دینے سے آگ پیدا ہوتی تھی سبز درخت سے آگ پیدا کرنا اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہی ہے۔

۵۶۔ آگ، جہنم کی آگ کو یاد دلاتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ آگ کو دیکھ کر اللہ کے عذاب سے ڈرے۔

۵۷۔ اس زمانہ میں آگ سلگانے کے لئے ماچس وغیرہ ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لئے مذکورہ درختوں کی ٹہنیوں کو مسافر آگ سلگانے کے لئے استعمال کرتے جو پکانے کے بھی کام آتی اور اس سے وہ تپش بھی حاصل کرتے۔ مسافروں کے حق میں یہ کتنی بڑی نعمت تھی۔ موجودہ دور میں آگ سلگانے کے لئے طرح طرح کی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں وہ بھی نت نئی نعمتیں ہی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

۵۸۔ یہ ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کے پیروؤں کو دی گئی ہے کہ ان کھلی حقیقتوں سے لوگ اگر آنکھیں بند کئے رہتے ہیں تو رہیں۔ تم اپنے ربِ عظیم کی پاکی بیان کرو کہ وہ ہر قسم کے عیب اور شرک سے منزہ ہے اور اس کے نام کی تسبیح کرو۔ اللہ کے نام کی تسبیح مثلاً سُبْحَانَ اللہِ یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنا عقیدہ کی صحت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور بہترین عبادت بھی ہے۔

۵۹۔ قسم سے پہلے جو 'لَا' (نہیں) آتا ہے وہ غلط بات کی تردید کے لئے آتا ہے۔ یہاں منکرین کے باطل عقائد کی تردید مقصود ہے۔

۶۰۔ ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات سے مراد ان کا اپنے اپنے مقام پر غروب ہونا ہے۔

۶۱۔ صبح کے وقت جب ستارے غروب ہونے لگتے ہیں تو آسمان کی آراستہ بزم کے برخاست ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ یہ منظر ہر دیدۂ بینا رکھنے والے کو دعوتِ فکر دیتا ہے اس لئے اس کو توحید اور جزا و سزا کی تائید میں پیش کیا گیا ہے قرآن کی دعوت ان ہی بنیادی باتوں کی دعوت ہے اس لئے اس سے اس کی بھی صداقت روشن ہو جاتی ہے سورۂ نجم میں بھی تاروں کے غروب ہونے کی قسم اسی بات پر کھائی گئی ہے اور سورۂ تکویر میں بھی تاروں کی رفتار، ان کے چھپ جانے، رات کے رخصت ہو جانے اور صبح کے نمودار ہونے کو روز جزاء کی شہادت میں جس سے قرآن کی صداقت بھی روشن ہوتی ہے پیش کیا گیا ہے یہاں اس قسم کو عظیم قسم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان کے یہ آثار توحید اور روز جزا کے حق میں بہت بڑی دلیل ہیں کیوں کہ ان آثار کا ہر شخص مشاہدہ کر کے بہ آسانی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس کیلئے منطق لڑانے اور صغریٰ اور کبریٰ کو جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے اندر

اگر حق کو پالینے کی طلب ہے تو تم ان آثار کے مشاہدہ میں حق کو پالو گے اور تاروں کے غروب ہونے میں بھی تم کو اللہ کا بہت بڑا کرشمہ دکھائی دے گا۔

۶۲ ۔ قرآن کے معنی بہ کثرت پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں۔ قرآن کلام الٰہی ہونے اور اپنی بہترین خصوصیات کی بنا پر اس لائق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور اس کا اہتمام شریعت نے اس طرح کیا ہے کہ ہر نماز میں بلکہ اس کی ہر رکعت میں قرآن کی قرأت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کی تلاوت اس کثرت سے ہوتی ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کی تلاوت کا نہایت خوشگوار اور روح پرور منظر رمضان کی راتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

قرآن کی صفت ''کریم'' بیان ہوئی ہے جس کے معنی عزت والے کے بھی ہیں اور فیض بخشی کے بھی۔ قرآن نہایت وقیع اور بلند پایہ کلام ہے۔ اس میں جو بات بھی کہی گئی ہے بلند سطح سے کہی گئی ہے۔ اس کلام کی ایک شان ہے اور وہ ہر لحاظ سے قابل احترام ہے۔ مزید برآں اس کی فیض بخشی ایسی ہے کہ گویا خیر کے چشمے بہادئے گئے ہیں۔ بڑے ناقدرے ہیں وہ لوگ جو اس کی قدر نہ کریں۔

۶۳ ۔ ''کتاب مکنون'' (محفوظ کتاب) سے مراد لوحِ محفوظ ہے جیسا کہ سورۂ بروج میں ارشاد ہوا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ۔

''بلکہ یہ بزرگ قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں (ثبت) ہے۔'' (بروج: ۲۱۔۲۲)

یعنی آسمان میں یہ کتاب نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ کردی گئی ہے جہاں فرشتوں کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہے۔

۶۴ ۔ ''مُطَهَّرِينَ'' (پاکیزہ) سے مراد فرشتے ہیں جو ہر قسم کے گناہ اور شر سے پاک ہیں۔ طبری اور دوسرے مفسرین نے بھی اس سے مراد فرشتے ہی لئے ہیں۔ سورۂ عبس میں تصریح ہے:

فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔

''یہ ایسے صحیفوں (اوراق) میں ہے جو نہایت قابل احترام ہیں، بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں۔ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہے جو معزز اور وفا شعار ہیں۔'' (عبس: ۱۳ تا ۱۶)

اور یہاں واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ قرآن کے بارے میں منکرین کا یہ شبہ کہ وہ شیطان کا اتارا ہوا ہے، بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ قرآن کلام الٰہی ہے اور اس کا منبع (Source) لوحِ محفوظ ہے جو آسمان میں ہے۔ وہاں کسی شیطان کی رسائی ممکن ہی نہیں کہ اس کو لے کر اڑیں اور اس میں آمیزش کریں۔ وہاں پاکیزہ فرشتے ہی پہنچتے ہیں، وہی اس کتاب کو چھوتے ہیں، وہی حکمِ الٰہی کے مطابق قرآن کی آیتوں کو جوں کا توں لے کر نازل ہوتے ہیں اور ان کے سردار جبریل، پیغمبر پر وحی کرتے ہیں۔ نزول قرآن کا یہ کام پاکیزہ صفت فرشتوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے اس لئے اس میں نہ فرشتوں کے اپنے کلام کا دخل ہوسکتا ہے اور نہ شیطان کی کسی بات کا۔

آیت کا اصل مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہیں، لیکن فقہاء نے اس آیت سے قرآن کو بلا وضو چھونے کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں وہ مؤطا کی یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔

''عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے روایت ہے کہ اس مکتوب میں جو نبی ﷺ نے عمر بن حزم کو لکھ کر دیا تھا یہ حکم تھا کہ قرآن کو وہی چھوئے جو طاہر ہو۔''

یہاں اس پر مبسوط فقہی بحث کا تو موقع نہیں ہے اس لئے ہم مختصراً چند باتیں عرض کریں گے:۔

۱) اس آیت میں کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ یہ حقیقتِ واقعہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن کا نزول ٹھیک ٹھیک اس کتاب کے مطابق ہو رہا ہے جو آسمان پر محفوظ ہے۔ اور جس کو صرف فرشتے جو پاکیزہ صفت اور امانت دار ہیں چھوتے ہیں اور اسی کے مطابق وحی لے کر پیغمبر پر نازل ہوتے ہیں۔ شیطانوں کا نہ وہاں گزر رہے اور نہ ان ناپاکوں کے ہاتھ اس کو لگ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ فرشتوں کے کام میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ حکم مستنبط کرنا کہ بلا وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگایا جائے ایک غیر متعلق بات ہے "طاہر" اور مُطَهَّرْ کے فرق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اگر قرآن کو ہاتھ لگانے کے لئے باوضو ہونا مراد ہوتا تو "طاھرین" کا لفظ استعمال کیا جاتا نہ کہ مُطَهَّرِیْنَ کا۔ اس آیت میں جس طرح فرشتوں کے قرآن کو چھونے کا ذکر ہے اسی طرح سورۂ عبس میں ان کے لکھنے کا بھی ہے:

بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ۔

"ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور وفا شعار ہیں۔" (عبس:۱۵۔۱۶)

تو کیا اس پر قیاس کر کے قرآن یا اس کی کسی آیت کے لکھنے کے لئے معزز اور نیک ہونے کی شرط عائد کی جا سکتی ہے؟ اگر یہ استنباط صحیح نہیں تو مُطَهَّرِیْنَ والی آیت سے جو استنباط کیا جاتا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔

۲) اور جہاں تک مؤطا کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ:

اَنْ لَا یَمَسَّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ "قرآن کو صرف وہی چھوئے جو طاہر ہو۔"

تو اول تو یہ حدیث مرسل ہے (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۸۴) دوسرے یہ کہ طاہر سے لازماً مراد باوضو شخص نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو جنابت سے پاک ہو۔ چنانچہ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں جُنُبِی (جس نے جنابت کے بعد غسل نہ کیا ہو) کو قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، گو ان حدیثوں میں بھی کلام کی گنجائش ہے وَفِیْ کُلِّهَا مَقَالٌ (عون المعبود ج ۱ ص ۳۸۳) اور قرآن میں جُنُبِی کو غسل کر کے پاک ہونے کا حکم دیا گیا ہے:

وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔

"اگر جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر کے پاک ہو جاؤ۔" (مائدہ:۶)

قرآن اور حدیث کے ان تصریحی احکام کے پیشِ نظر مؤطا کی مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم یہی متعین ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص جس نے جنابت سے اور کسی عورت نے حیض سے پاکی حاصل نہ کی ہو وہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔

۳) بعض فقہا نے تو قرآن کو بلا وضو ہاتھ نہ لگانے کا حکم دیتے ہوئے، اس میں اس قدر شدت پیدا کر دی ہے کہ جن کتابوں میں قرآن کی آیتیں درج ہوں یا جس ورق میں بھی قرآن کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہو اس کو ہاتھ لگانا ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی بلا وضو نہ کسی خط پر بسم اللہ لکھ سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی آیت درج کر سکتا ہے۔ کیونکہ بسم اللہ بھی قرآن کی ایک آیت ہی ہے۔ اسی طرح ان رسائل کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا جن میں قرآن کی آیتیں درج ہوتی ہیں۔ اس شدت کی تردید بخاری کے اس باب سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے ابراہیم نخعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "بغیر وضو کے خط لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔"

(بخاری کتاب الوضوء باب قرأة القرآن بعد الحدیث وغیرہ) ظاہر ہے خط میں بسم اللہ بھی لکھی جائے گی اور اگر ضرورت ہوئی تو آیتیں بھی لکھی جائیں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو خط لکھا تھا اس میں قرآن کی چند آیتیں بھی درج تھیں، تو کیا جو شخص اس خط کو لے گیا تھا اس کو اس بات کی تاکید کی گئی تھی کہ وہ بلا وضو، اسے ہاتھ نہ لگائے؟

۴) حضرت ابن عباس، شعبی، ضحاک، زید بن علی، مؤید باللہ، داؤد، ابن حزم اور حماد بن سلیمان اس بات کے قائل ہیں کہ بلا وضو قرآن کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔

(فقہ السنہ۔السید سابق ج ۱ص ۵۷)

۵) قرآن کی تلاوت اور اس کے مطالعہ کے لئے باوضو ہونا یقیناً باعثِ خیر و برکت ہے۔ کیونکہ باوضو ہونے کی صورت میں پاکیزگی کا زیادہ احساس ہوتا ہے اور خیالات کو پاکیزہ رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن وضو کے بغیر قرآن کو ہاتھ لگانے کو حرام قرار دینا فقہی شدت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ شدت موجودہ زمانہ میں لوگوں کو زبردست مشکلات میں ڈالنے والی ہے۔ کیونکہ قرآن کے نسخوں کو فروخت کرنا، ان کو خریدنا اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، ان کو چھاپنا اور ان کی جلد بندی کرنا سب کے لئے وضو کی قید کوئی عملی بات نہیں ہے۔ یہ قید اشاعتِ قرآن کے سلسلہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ کتاب خوبصورت جزدان میں بند رکھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے قدم قدم پر رہنمائی حاصل کی جائے اور اس کو بہ کثرت پھیلایا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ دین میں جو آسانیاں تھیں وہ فقہی شدت کی وجہ سے برقرار نہیں رہ سکیں۔

۶۵۔ یعنی اس کی عظمت کو محسوس نہیں کرتے اور اس کو خاطر میں نہیں لاتے۔

۶۶۔ یعنی جان کنی کے وقت تمہاری جو بے بسی ہوتی ہے اس پر بھی تو سوچو۔

۶۷۔ یعنی تمہاری نظروں کے سامنے مرنے والے کی روح قبض کی جا رہی ہوتی ہے۔

(اے نبی!) اپنے ربِ عظیم کے نام
کی تسبیح کرو۔(القرآن)

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾	۸۵ اور ہم تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں پاتے۔۶۸۔
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾	۸۶ تو اگر تم محکوم نہیں ہو تو کیوں نہیں۔
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾	۸۷ اس جان کو لوٹا لیتے اگر تم سچے ہو؟ ۶۹۔
فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾	۸۸ پھر اگر وہ ہوا مقربین ۷۰۔ (جن کو اللہ سے قریب ہونے کا درجہ حاصل ہوا) میں سے۔
فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾	۸۹ تو اس کیلئے راحت اور خوشبو اور نعمت بھری جنت ہے۔۷۱۔
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾	۹۰ اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہوا۔۷۲۔
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾	۹۱ تو سلامتی ہے تیرے لئے کہ تو اصحابِ یمین (داہنے ہاتھ والوں) میں سے ہے۔۷۳۔
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾	۹۲ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہوا۔
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾	۹۳ تو اس کی تواضع گرم پانی سے ہوگی۔
وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾	۹۴ اور اس کا داخلہ جہنم میں ہوگا۔۷۴۔
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾	۹۵ یہ سب بالیقین حق ہے۔۷۵۔
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾	۹۶ تو (اے نبی!) اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔۷۶۔

۶۸۔ یعنی مرنے والے سے تمہاری بہ نسبت اللہ زیادہ قریب ہوتا ہے۔

تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ق نوٹ ۲۱۔

۶۹۔ یعنی اگر تم اپنے رب کے مملوک اور محکوم نہیں ہو تو موت کے بعد روح کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟ جب یہ واقعہ ہے کہ روح کو جب کہ وہ جسم سے نکل چکی ہو کوئی شخص بھی لوٹا نہیں سکتا، نہ اپنی روح کو نہ کسی دوسرے شخص کی روح کو۔ تو پھر وہ اس حقیقت کو کیوں نہیں تسلیم کرتا کہ وہ اپنے رب کا مملوک اور محکوم ہے اور جب وہ اس کا مملوک اور محکوم ہے تو اس کی بندگی اور اطاعت کرنا چاہئے۔ پھر اس سے کفر اور سرکشی کیسی؟

۷۰۔ مقربین کی تشریح اوپر نوٹ ۱۰ میں گزر چکی؟

۷۱۔ یعنی مرنے والا اگر مقربین میں سے ہوتا ہے تو اس کی روح کے لئے راحت ہی راحت ہوتی ہے، اور ایسی خوشبو پیش کی جاتی ہے جو اس کے لئے تازگی اور فرحت کا باعث ہوتی ہے اور اسے نعمت بھری جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے۔

سورۃ حٰم السجدہ (آیت ۳۰) میں بھی گزر چکا کہ جو لوگ استقامت کا ثبوت دیتے ہیں ان پر فرشتے جنت کی بشارت لئے ہوئے نازل ہوتے ہیں۔

۷۲۔ داہنے ہاتھ والوں سے مراد نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۷۳۔ یعنی اگر مرنے والا نیک ہے تو اسے فرشتے روح قبض کرتے وقت خوشخبری دیتے ہیں کہ تیرے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ تجھے کسی آفت اور تکلیف سے واسطہ نہیں پڑے گا۔

۷۴۔ یعنی اگر مرنے والا توحید اور آخرت کو جھٹلانے والا اور گمراہ تھا تو اس کا استقبال گرم پانی سے کیا جاتا ہے اور اسے یہ بُری خبر سنائی جاتی ہے کہ قیامت کے دن اس کا داخلہ جہنم میں ہوگا۔

۷۵۔ یعنی یہ سب باتیں جو بیان ہوئیں قطعی حق ہیں۔ ان میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔

۷۶۔ تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۵۸۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں رکھو اور جب آیت **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی** نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدہ میں رکھو۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

چنانچہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (پاک ہے میرا ربِ عظیم)

اور سجدہ میں (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی) (پاک ہے میرا ربِ اعلیٰ)

اسی حکم کی تعمیل میں کہا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نماز کے اذکار قرآن کے اشارات پر مبنی ہیں۔

سورۂ الحدید

۵۷۔ الحدید

نام آیت ۲۵ میں حدید (لوہے) کے نازل کئے جانے کا ذکر ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الحدید' ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور آیت ۱۰ میں فتح سے پہلے انفاق اور جہاد کرنے والوں کے درجہ کی بلندی کا جو ذکر ہوا ہے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی غالباً ۵ھ ہجری یا ۶ھ ہجری میں۔

مرکزی مضمون اس سورہ میں خلوص کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اس کا ابھرا ہوا تقاضا یہ پیش کیا گیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنا مال خرچ کیا جائے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۶ میں اللہ کی پاکیزگی اور اس کی صفات بیان ہوئی ہیں۔

آیت ۷ تا ۱۱ میں خلوص کے ساتھ ایمان لانے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

آیت ۱۲ تا ۱۵ میں مخلص مؤمنوں کو یہ بشارت دیتے ہوئے کہ ان کا ایمان قیامت کے دن ان کے لئے نور ہوگا، منافقین کی اس نور سے محرومی اور ان کے عذاب سے دوچار ہونے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۱۶ تا ۲۴ میں ایمان کے تقاضے پیش کئے گئے ہیں۔ اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو مقصود بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

آیت ۲۵ تا ۲۷ میں قیام عدل کے لئے طاقت کے استعمال کو ضروری قرار دیتے ہوئے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور دین کے رہبانی تصور کی تردید کی گئی ہے۔

آیت ۲۸ اور ۲۹ سورہ کے خاتمہ کی آیتیں ہیں جن میں متقی اور مخلص مؤمنوں کے لئے روشنی اور فضلِ عظیم سے نوازے جانے کی بشارت دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ

۵۷۔ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ

آیات: ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾

١ اللہ کی تسبیح کرتی ہیں ساری چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ۱۔ اور وہ غالب ہے ۲۔ حکمت والا۔ ۳۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢﴾

٢ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے ۴۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٣﴾

٣ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی۔ ۵۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۶۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤﴾

٤ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا ۷۔ وہ جانتا ہے جو چیز بھی زمین میں داخل ہوتی ہے ۸۔ اور اس سے نکلتی ہے ۹۔ اور جو کچھ آسمان میں سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے ۱۰۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو ۱۱۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٥﴾

٥ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ۱۲۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۗ وَهُوَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٦﴾

٦ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں ۱۳۔ اور وہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔ ۱۴۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿٧﴾

٧ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ۱۵۔ اور خرچ کرو اس مال میں سے جس پر اس نے تم کو اختیار بخشا ہے ۱۶۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور خرچ کریں گے ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

٨ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے۔ اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے اگر تم مؤمن ہو۔ ۱۷۔

۱۔ سَبَّحَ ماضی کا صیغہ ہے جس کے لفظی معنی ہیں ''تسبیح کی'' اور دوسری سورتوں میں ''یُسَبِّحُ'' مضارع کا صیغہ بھی آیا ہے جو حال اور مستقبل دونوں کے لئے یعنی تسبیح کرتی ہے اور تسبیح کرے گی۔ ان دونوں صیغوں کے استعمال سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ کائنات کی ہر چیز بلا قید زماں اللہ کی تسبیح میں زمزمہ سنج ہے۔ زبانِ حال اور زبانِ قال دونوں سے اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۵۸۔

۲۔ یعنی اس کا اقتدار اور غلبہ ہر چیز پر ہے کوئی چیز بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔

۳۔ وہ اپنے اقتدار اور غلبہ کو حکمت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اس لئے یہ نظام کائنات ایک سنجیدہ حقیقت ہے۔ نہ وہ مقصدیت سے خالی ہے اور نہ اس کی سلطنت میں اندھیر نگری ہے۔

۴۔ یعنی وہ کائنات کا فرمانروا ہے۔ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں۔ وہ پوری شانِ بادشاہت کے ساتھ اپنی سلطنت پر حکومت کر رہا ہے۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ۔

''تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی نہیں تو آخر ہے تیرے بعد کوئی نہیں تو ظاہر ہے تجھ سے اوپر کوئی نہیں تو باطن ہے تجھ سے زیادہ پوشیدہ کوئی نہیں۔''

(مسلم کتاب الذکر)

مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہر چیز کا وجود اس کے وجود کے بعد ہے اور ہر چیز فانی ہے بقا اور دوام اسی کے لئے ہے اور اس کے باقی رکھنے ہی سے کوئی چیز باقی رہ سکتی ہے۔ اس کے وجود سے زیادہ کسی چیز کا وجود بھی ظاہر نہیں۔ پوری کائنات اس کے وجود کو ظاہر کر رہی ہے اور وہ ہر جگہ آشکارا ہے مگر وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ دکھائی نہیں دیتا۔ حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور عقل اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا اس کی ذات وصفات کے بارے میں جو معرفت وحی الٰہی نے بخشی ہے اس پر اکتفا کرنا چاہئیے اور ایسے سوالات میں ذہن کو الجھانا نہیں چاہئیے جو ہماری معرفت کے دائرہ سے باہر ہیں۔

جو لوگ وحدۃ الوجود (یعنی نعوذ باللہ، اللہ اور مخلوق کا، سب کا وجود ایک ہی ہے) کے قائل ہیں۔ انہوں نے یہیں ٹھوکر کھائی ہے۔ انہوں نے اللہ کی ذات میں عقل وفطرت کے حدود سے متجاوز ہو کر غور کیا جس کے نتیجہ میں ان کا عقیدہ فاسد ہو گیا اور گمراہی ان کے حصہ میں آئی۔ آدمی جب تک پانی میں تیرتا ہے سلامت رہتا ہے لیکن جب زمین پر تیرنا شروع کرتا ہے تو گھٹنے پھوٹنے لگتے ہیں۔ عقل کے گھوڑے کے لئے زمام نہایت ضروری ہے۔

۶۔ انسان اپنے علم پر اللہ کے علم کو قیاس نہیں کر سکتا۔ اللہ کا علم بحرِ بیکراں ہے اور انسان کا علم سمندر کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں۔

۷۔ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۸۲، ۸۳ میں گزر چکی۔

۸۔ مثلاً اناج کے دانے، پانی اور مُردے جو اس میں دفن ہوتے ہیں۔

۹۔ مثلاً کونپلیں، پانی کے چشمے، دھاتیں، قیمتی پتھر اور تیل، پٹرول، گیس وغیرہ۔

۱۰۔ اس کی تشریح سورۂ سبا نوٹ ۵ میں گزر چکی۔

۱۱۔ تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہیں جانتا ہے، دیکھتا ہے، تمہاری باتیں سنتا ہے، تم پر قدرت رکھتا ہے اور تمہاری روح قبض کرتا ہے۔ اس کے حاضر وناظر ہونے

کا تصور ہی انسان کو لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔

۱۲؎ وہ بادشاہ ہے اس لئے آسمانوں اور زمین میں اس کے فرمان جاری ہوتے ہیں اور وہ مرجع ہے اس لئے تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

۱۳؎ اس کی تشریح سورۂ آلِ عمران نوٹ ۳۹ میں گزر چکی۔

۱۴؎ وہ جزئی سے جزئی اور سب سے زیادہ مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے یہاں تک کہ دلوں میں چھپے ہوئے بھید بھی اس پر عیاں ہیں۔

۱۵؎ یہ کلمہ گو مسلمانوں سے خطاب ہے کہ صرف کلمہ گو ہونا کافی نہیں بلکہ سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ ایمان وہی معتبر ہے جو دل کی تصدیق کے ساتھ ہو اور اس میں شک اور تذبذب نہ ہو بلکہ اس کے حق ہونے پر یقین ہو۔

۱۶؎ یعنی جو مال اس نے امانۃً تمہارے سپرد کیا ہے اور تم کو شرعی حدود میں تصرف کا اختیار بخشا ہے۔ خرچ کرنے سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور اس سورہ میں انفاق (خرچ کرنے) کا جو حکم دیا گیا ہے وہ جہاد کی ضرورتوں کے پیشِ نظر ہے تاکہ کفر اور اسلام کی کشمکش میں اسلام کو سربلندی حاصل ہو۔

۱۷؎ یہ ان مسلمانوں سے خطاب ہے جنہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا لیکن ایمان ابھی ان کے دل میں نہیں اترا تھا۔ ان کو فہمائش کی گئی کہ جب رسول تمہیں بنفس نفیس ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ تم مخلصانہ ایمان نہیں لاتے؟ جب کہ رسول تم سے عہد لے چکا ہے۔ عہد اس بات کا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے۔ جب کوئی شخص کلمہ شہادت ادا کر کے اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ دراصل اس بات کا عہد کرتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ (مائدہ:۷)

''اور اللہ نے جو فضل تم پر کیا ہے اسے یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جو اس نے تم سے لیا ہے جب تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔''

لہٰذا اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرو۔

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔ یکساں نہیں، تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑے۔ ان کا درجہ ان لوگوں سے بڑا ہے جو بعد میں خرچ کریں گے اور لڑیں گے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھا وعدہ کیا ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔ (القرآن)

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۹

۹ وہی ہے جو اپنے بندہ پر واضح آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ یقیناً اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔۱۸؎

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ۱۰

۱۰ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے ۱۹؎۔ یکساں نہیں، تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑے۔ ان کا درجہ ان لوگوں سے بڑا ہے جو بعد میں خرچ کریں گے اور لڑیں گے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھا وعدہ کیا ہے ۲۰؎۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ ۱۱

۱۱ کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض؟ کہ وہ اس کیلئے اس کو کئی گنا کردے۔ اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔ ۲۱؎

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ۱۲

۱۲ جس دن تم مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا ۲۲؎۔ آج تمہارے لئے خوشخبری ہے جنتوں کی جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا
نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ
مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ ۱۳

۱۳ اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ذرا توقف کرو کہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اٹھالیں ۲۳؎۔ ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے پلٹو اور وہاں نور تلاش کرو ۲۴؎۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی ۲۵؎، جسمیں ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندر کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ ۲۶؎

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ
وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ۱۴

۱۴ وہ ان کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ جواب دیں گے ہاں مگر تم نے اپنے کو فتنہ میں ڈالا ۲۷؎، (ہمارے لئے بُرے انجام کا) انتظار کرتے رہے ۲۸؎، شک میں مبتلا رہے ۲۹؎۔ اور جھوٹی تمناؤں نے تمہیں دھوکہ میں رکھا ۳۰؎، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا ۳۱؎ اور اس فریب کار نے ۳۲؎ تمہیں اللہ کے معاملہ میں فریب ہی میں رکھا۔

۱۸ ۔ یعنی اللہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے جہالت اور خواہشات کے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں اس لئے اس نے واضح آیتیں نازل کر کے ان کو روشنی میں لانے کا اہتمام کیا۔ وہ اپنے بندوں کے حق میں شفیق ہے اس لئے انہیں برے انجام سے بچانا چاہتا ہے اور وہ رحیم ہے اس لئے چاہتا ہے کہ وہ اس کی رحمت کے مستحق بنیں۔

۱۹ ۔ یعنی تم کو جو مال عطاء ہوا ہے وہ بالآخر اللہ کے قبضہ میں جانے والا ہے۔ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے پھر تم اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کیوں نہیں کرتے کہ تمہارے لئے اجر کا باعث بنے۔

۲۰ ۔ فتح سے مراد فتحِ مکّہ ہے۔ فتحِ مکّہ سے پہلے حالات نہایت کٹھن اور صبر آزما رہے ہیں۔ اس وقت اسلام کی سربلندی کے لئے جانی و مالی قربانیاں دینے کی شدید ضرورت تھی۔ ان حالات میں وہی لوگ قربانیاں دینے کے لئے آگے بڑھے جو بلند حوصلہ تھے اسلئے ان کا درجہ بھی اللہ کے یہاں بلند ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو اسلام کی عظیم فتح ۔۔ فتحِ مکّہ ۔۔ کے بعد جب کہ حالات اتنے سخت نہیں رہے، جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ درجہ کے اعتبار سے تو دونوں یکساں نہیں ہو سکتے لیکن دونوں ہی کی قربانیاں لائق قدر ہیں، اور اللہ نے اچھے اجر کا وعدہ دونوں ہی سے کیا ہے۔

اس آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ اسلام کے لئے جب کبھی حالات ناسازگار ہو کر رہ جائیں اور اس کی سربلندی کے لئے اپنا مال خرچ کرنا اور اپنی جانیں لڑا دینا بڑے حوصلہ کا کام ہو تو جو لوگ ان خطرات کو مول لے کر آگے بڑھیں گے ان کا رتبہ بلند ہوگا بہ نسبت ان لوگوں کہ جو عام حالات میں اسلام کی سربلندی کے لئے انفاق اور جہاد کریں گے۔

۲۱ ۔ قرض حسن سے مراد وہ انفاق (خرچ) ہے جو اپنی جائز کمائی میں سے خالصتہً اللہ کی رضا (خوشنودی) کے لئے کیا جائے۔ نہ اس میں ریا ہو اور نہ اس کے بعد احسان جتانے اور اذیت دینے کی کوئی بات۔ یہ انفاق جہاد کے مقاصد کے لئے خاص طور سے مطلوب ہے اس لئے اس کا مطالبہ دل کو اپیل کرنے والے انداز میں کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان کریمی ہے کہ وہ اس انفاق کو اپنے ذمہ قرض قرار دے رہا ہے جس کو وہ آخرت میں کئی گنا کر دے گا اور بہت بڑے اجر سے نوازے گا۔

۲۲ ۔ یہ نور ایمان اور عملِ صالح کا ہوگا۔ حدیث میں نماز کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے:

الصلوٰۃ نور ''نماز نور ہے۔'' (مسلم کتاب الطہارۃ)

یہی نور ہے جو قیامت کے دن مؤمنوں پر جنت کی راہ روشن کرے گا۔ یہ سعادت جس طرح مؤمن مردوں کو حاصل ہوگی اسی طرح مؤمن عورتوں کو بھی حاصل ہوگی۔

۲۳ ۔ منافق یعنی وہ لوگ جو بظاہر مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن اپنے ایمان میں مخلص نہ تھے۔ آگے آیت ۱۴ میں اس کی وضاحت ہوئی ہے۔ یہ لوگ چونکہ مسلمانوں کے گروہ میں شامل تھے اس لئے قیامت کے دن بھی وہ مؤمنوں کے پیچھے پیچھے ہوں گے لیکن چونکہ ان کی زندگیاں ایمان اور عمل صالح سے خالی تھیں اس لئے قیامت کے دن ان کو نور سے محروم رکھا جائے گا۔ وہ اپنے کو اس حال میں دیکھ کر کہ اس نور سے محروم ہیں۔ مؤمنوں کو آواز دیں گے کہ ذرا ٹھہرو تا کہ تمہارے نور کی روشنی سے ہم بھی فائدہ اٹھالیں مگر ان کی شنوائی نہیں ہوگی۔

۲۴ ۔ یعنی دنیا جس کو تم پیچھے چھوڑ کر آئے ہو نور حاصل کرنے کی جگہ تھی۔ اب اگر تم پلٹ کر دنیا میں جا سکتے ہو تو جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو مگر یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ آخرت میں نور اسی کے ساتھ ہوگا جو دنیا سے ایمان اور عملِ صالح کا نور لے کر آیا ہوگا۔

۲۵ ۔ یعنی مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ اس طرح دونوں گروہ الگ ہو جائیں گے تا کہ اپنی الگ الگ منزل کو پہنچ جائیں۔

۲۶۔ اس دیوار کے دروازہ سے مؤمن اندر داخل ہوں گے جہاں رحمت ہی رحمت ہوگی، یعنی جنت۔ اور یہ دروازہ درحقیقت رحمت کا دروازہ ہوگا۔

اس دروازہ کے باہر کی طرف عذاب ہوگا جو منافقین کو اپنی گرفت میں لے گا۔

۲۷۔ مؤمنوں کو اپنی روشنی کے ساتھ جدا ہوتے دیکھ کر منافق ان کو پکاریں گے کہ ہم کو پیچھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ جواب دیں گے تم ہمارے ساتھ ضرور تھے۔۔۔۔ یعنی مسلم سوسائٹی میں شامل تھے۔۔۔۔۔ لیکن تم نے دورخی پالیسی اختیار کر کے اپنے کو زبردست فتنہ میں ڈالا۔ ایک طرف مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے رہے اور دوسری طرف کافروں سے بھی ساز باز کرتے رہے۔ ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر وہ بدترین شر تھا جس میں تم نے اپنے کو مبتلا کر رکھا تھا۔

۲۸۔ اس انتظار میں رہے کہ کب مسلمانوں پر ایسی افتاد پڑتی ہے کہ پھر وہ اٹھ ہی نہ سکیں۔

یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَائِرَ عَلَیۡھِمۡ دَائِرَۃُ السَّوۡءِ۔ (توبہ:۹۸)

وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ تم کسی نہ کسی گردش میں آ جاؤ (اور واقعہ یہ ہے کہ) بری گردش میں وہ خود ہی آ گئے ہیں۔''

۲۹۔ یعنی تمہیں نہ رسول کی رسالت پر یقین تھا اور نہ آخرت پر۔ ان باتوں پر تم شک ہی کرتے رہے۔

۳۰۔ یعنی تم اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہماری یہ پالیسی کامیاب رہے گی۔ ہم اپنا مفاد اسی طرح حاصل کر سکیں گے اور اگر آخرت برپا ہوئی تو ہم مسلمانوں میں شامل ہونے کی بنا پر بخش دئے جائیں گے۔

۳۱۔ اللہ کے حکم سے مراد موت ہے یعنی مرتے دم تک تم نفاق ہی میں مبتلا رہے۔

۳۲۔ مراد شیطان ہے جو کفر اور گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور سبز باغ دکھاتا ہے۔

کیا ایمان لانے والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ
ان کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے
آگے جھک جائیں۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ
ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان
پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان
میں سے اکثر فاسق ہیں۔ (القرآن)

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ
النَّارُ ۭ هِىَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

۱۵ تو آج نہ تم (منافقوں) سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا ۳۳ ۔ اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ۳۴ ۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے ۳۵ ۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ
مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ
عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ کیا ایمان لانے والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھک جائیں ۳۶ ۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ ۳۷ ۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ جان لو کہ اللہ زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے ۳۸ ۔ ہم نے نشانیاں تمہارے لئے واضح کر دی ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ
لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا ان کو کئی گنا کر کے دیا جائے گا ۳۹ ۔ اور ان کے لئے بہترین اجر ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ
وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

۱۹ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ۴۰ ۔ ان کے لئے ان کا اجر بھی ہوگا اور نور بھی۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ
وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ
نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

۲۰ جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور لہو، زینت، ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی طلب ہے ۴۱ ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش جس کی نباتات کو دیکھ کر کافر خوش ہو جاتے ہیں پھر وہ لہلہانے لگتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ زرد ہو گئی ہے۔ پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ جاتی ہے ۴۲ ۔ اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی ۴۳ ۔ اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکہ کا سامان ہے۔

۳۳۔ یعنی اگر تمہارے پاس دنیا بھر کی دولت ہو اور تم اپنی نجات کے لئے اسے فدیہ میں دینا چاہو تو بھی قبول نہیں کی جائے گی، دنیا میں جو مال تمہیں میسر تھا اس کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں خلوص دل سے اور سچے مؤمن بن کر خرچ کرتے تو آج تمہارے لئے وہ ضرور ذریعہ نجات بن سکتا تھا۔ مگر اب اس کا کوئی بدل نہیں۔

۳۴۔ یعنی نہ کھلے کافروں سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

۳۵۔ یعنی اب تمہارا اگر کوئی رفیق ہے تو یہی جہنم۔ دیکھو اب وہ تمہاری کیسی خبر گیری کرتی ہے۔

۳۶۔ خطاب ان ایمان لانے والوں سے ہے جن کے دل خشوع سے خالی تھے۔ خشوع دل کی وہ کیفیت ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کے حضور جوابدہی کے تصور سے پیدا ہوتی ہے اور جو عبارت ہے احساس بندگی، پستی، اور عجز و نیاز سے، یہ چیز سچے ایمان کا خاصہ ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو جن کا ایمان محض زبانی جمع خرچ کی حد تک تھا اور جن کے دل میں وہ سرایت نہیں کر گیا تھا جھنجوڑا گیا ہے کہ اسلام اور کفر کی اس طویل کشمکش میں جو کئی سال سے چلی آرہی ہے اور جس کے دوران وہ اہلِ ایمان کی مظلومی بھی دیکھتے رہے ہیں اور اسلام کی حقانیت اور پیغمبر کی صداقت کی نشانیاں بھی، ان کے دل اب بھی نہیں پسیجتے اور اللہ کو یاد کر کے پست نہیں ہو جاتے اور اس حق کو دیکھتے ہوئے جو قرآن کی شکل میں اس نے نازل کیا ہے ان کے اندر اس کے حضور جوابدہی کا احساس نہیں ابھرتا اور اس کے لئے عجز و نیاز کی کیفیت ان کے اندر پیدا نہیں ہوتی!

۳۷۔ اہلِ کتاب پر جب کتاب کے نازل ہونے اور رسول کے رخصت ہو جانے کے بعد ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کا رشتہ کتاب الٰہی سے کمزور پڑتا چلا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دل کا خشوع رخصت ہوا اور خشوع کے رخصت ہو جانے سے دل سخت ہو گئے اور پھر ان کی زندگیاں فاسقانہ بن کر رہ گئیں۔ یہاں ان کی اس حالت سے عبرت دلائی گئی ہے۔

مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ ابھی قرآن نازل ہو رہا ہے اور اللہ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے پھر تمہارا حال ان اہلِ کتاب کا سا نہیں ہونا چاہئے۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا حال بھی ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر ویسا ہی ہے جیسا کہ اہلِ کتاب کا بیان ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رخصت ہوئے چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، اس لمبی مدت میں ان کا تعلق کتاب الٰہی سے کمزور ہوتا چلا گیا جس کی بہت بڑی وجہ بدعات سے ان کی دلچسپی ہے اور واسطہ وسیلہ کا باطل تصور ہے جس نے ان کو جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی نجات کے بارے میں بڑی خوش فہمی میں ہیں جب کہ ان کی زندگیاں کھلی فاسقانہ ہیں۔ ان پر نصیحت کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ معصیت میں مسلسل مبتلا رہنے کے نتیجہ میں ان کے دل سخت ہو گئے ہیں۔

۳۸۔ یہ مرنے کے بعد اٹھنے پر جس کے بارے میں منافقین شک میں مبتلا تھے دلیل بھی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ بھی کہ مردہ دلوں کو بھی اللہ زندہ کر سکتا ہے اور وہ ہدایت پا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اللہ کی نشانیوں پر غور کریں جن میں سے ایک بہت بڑی نشانی زمین کا مُردہ یعنی خشک ہو جانے کے بعد زندہ ہونا یعنی سرسبز ہونا ہے۔

۳۹۔ صدقہ سے مراد عام صدقہ و انفاق ہے اور قرض حسن سے مراد وہ انفاق ہے جو اسلام کی جنگی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جائے اور جس میں ریاء وغیرہ کا شائبہ نہ ہو۔ چونکہ یہ پیش آمدہ ضرورت کے تحت مطالبہ کی شکل میں تھا اس لئے اسے قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو کئی گنا بڑھا کر آخرت میں لوٹا دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اسی طرح صدقہ دینے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ اضافہ کر کے دے گا۔

۴۰۔ یعنی اللہ کے نزدیک صدیقیت اور شہادت کا مرتبہ پانے والے مخلص اہل ایمان ہی ہوں گے۔ نام نہاد مسلمان جو اپنے دلوں میں کفر کو چھپائے

رہے وہ اللہ کے ہاں کوئی مقام پا نہ سکیں گے۔آیت کے اس مفہوم کو اس کا آخری فقرہ واضح کر رہا ہے جس میں کفر کرنے والوں کا مقام جہنم بتایا گیا ہے۔

صدیق یعنی بہت سچا،صداقت شعار اور شہید یعنی گواہ۔مراد اسلام کی حقانیت کی گواہی دینے والا ہے،سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔(بقرہ:۱۴۳)

''اس طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ لوگوں پر گواہ ہو۔''

اس معنی میں دینِ حق کی گواہی دینے والا ہر مؤمن شہید ہے اور شہادت کا اونچا مقام وہ ہے جو ایک مؤمن اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرکے حاصل کرتا ہے۔

۴۱؎ اس آیت میں دنیا کی زندگی کو جب کہ اسے آخرت کی کامیابی کا ذریعہ نہ بنایا جائے بے وقعت قرار دیا گیا ہے۔جو لوگ دنیا کو اپنا مقصود بناتے ہیں ان کی زندگیاں کھیل تماشا بن کر رہ جاتی ہیں۔وہ دنیا کو سیر گاہ خیال کرتے ہیں اور تفریحِ طبع کا سامان مہیا کرنے میں منہمک ہوجاتے ہیں۔

لَعِب یعنی کھیل جو محض دل کے بہلاوے کے لئے ہوتا ہے۔

لَھْوٌ یعنی اصل مقصد سے غافل کردینے والی چیز،دنیا کے وہ تمام مشاغل جو آخرت سے غافل کردینے والے ہوں **لھو** ہیں خواہ وہ عیش وعشرت کے لئے ہوں یا جاہ ومنصب کے حصول یا قوم کو دنیا پرستی میں مبتلا رکھنے کے لئے ہوں۔

زِیْنَۃ (آرائش) سے مراد دنیا کی ظاہری چمک دمک اور دل فریبی ہے۔جس کی لذتیں گناہ میں مبتلا کرتی ہیں اور جس کی کشش خواہشات کا غلام بناتی ہیں۔

تفاخر (باہم فخر کرنا)۔فخر یہ ہے کہ آدمی حسب ونسب،مال ودولت اور جاہ ومنصب وغیرہ کی بنا پر اپنی بڑائی کا دوسروں پر اظہار کرے۔ایک فنکار اپنی فنی مہارت پر،ایک شاعر اپنے داد ملنے والے کلام پر،ایک صحافی اپنی صحافیانہ صلاحیت،پر ایک مصنف اپنی قابلیت پر اور ایک سیاست داں اپنی شاطرانہ سیاست پر فخر کرتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ یہ اپنی بڑائی کا اظہار ہے جو اسے زیب نہیں دیتا۔نعمتیں اور صلاحیتیں سب اللہ کی عطا کردہ ہیں اور ذریعہ آزمائش ہیں اس لئے ان کے تعلق سے اپنی ذمہ داری کا احساس ابھرنا چاہئے نہ کہ اپنی بڑائی کا۔

تکاثر (ایک دوسرے سے مال واولاد میں بڑھ جانے کی طلب) وہ حرص ہے جو دنیوی اغراض کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے پر آدمی کو آمادہ کرتی ہے اور اس زمانہ میں جبکہ اولاد کی کثرت ایک قوت اور جتھے کا کام دیتی تھی مقصود بن جایا کرتی تھی اور اس کے پیش نظر مرد بہت سی عورتوں سے شادیاں بھی کرلیتا تھا۔مگر موجودہ زمانہ میں خودغرض انسان چاہتا ہے کہ اس کے بچے کم سے کم ہوں۔

تکاثر کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ تکاثر نوٹ ۱؎۔

۴۲؎ یعنی دنیوی زندگی کی رونق جس پر لوگ ریجھتے ہیں ایسی ہے جیسے کھیتی کی رونق جو بارش ہونے پر بہار پر آجاتی ہے مگر یہ بہار چندروزہ ہوتی ہے اس کے بعد وہ چورا چورا ہوکر رہ جاتی ہے اس لئے یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ آدمی زندگی کی ظاہری چمک دمک سے ایسا متاثر ہوجائے کہ اس کے بعد کیا پیش آنے والا ہے اس کو نظرانداز کردے۔

یہ مثال دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوئی ہے۔تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ کہف نوٹ ۶۳؎۔

واضح رہے کہ دنیوی زندگی کا بے وقعت اور حقیر ہونا اس پہلو سے ہے کہ اسے آخرت پر ترجیح دی جائے اور اپنا نصب العین بنالیا جائے۔قرآن میں اسی پہلو سے یہ مذمت کی گئی ہے چنانچہ سورۂ ابراہیم آیت ۳ میں ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔

''جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پسند کرتے ہیں۔''

اور سورۂ اعلیٰ آیت ۱۶ میں فرمایا:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

''لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔''

اور سورۂ نجم آیت ۲۹ میں واضح کیا گیا ہے کہ کافر دنیوی زندگی کو اپنا مقصود بناتے ہیں۔

وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

''اور اس نے دنیوی زندگی ہی کو مقصود بنایا۔''

لیکن اس کے برعکس جو لوگ دنیوی زندگی کو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور شرعی حدود میں رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں ان کی دنیوی زندگی نہایت سنجیدہ ہوتی ہے نہ کہ کھیل تماشا، اور وہ اس امتحان گاہ سے کامیابی کا سرٹیفکٹ لے کر نکلتے ہیں۔

۴۳۔ یعنی آخرت میں دو طرح کے انجام سامنے آنے والے ہیں۔ ایک عذابِ شدید یعنی جہنم کی سزا جو ان لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھگتنا ہوگی جنہوں نے دنیوی زندگی کو اپنا مقصود بنا لیا تھا اور جو آخرت کے منکر تھے۔

دوسرا انجام تو اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی کی شکل میں ظاہر ہوگا اور یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جنہوں نے دنیا کو امتحان گاہ سمجھ لیا تھا۔ اور جو آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصدِ حیات بنائے ہوئے تھے۔

اللہ کی خوشنودی کا مظہر جنت ہے جیسا کہ بعد کی آیت سے واضح ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ
الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

۲۱ ایک دوسرے سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے مانند ہے ۴۴؎۔ وہ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے ۴۵؎، جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ۴۶؎۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾

۲۲ کوئی مصیبت بھی زمین پر نازل نہیں ہوتی اور نہ تمہارے نفس کو پہنچتی ہے مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں ۴۷؎۔ یہ اللہ کے لئے نہایت آسان ہے۔ ۴۸؎

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾

۲۳ (اس حقیقت سے تمہیں آگاہ کر دیا گیا ہے) تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تم سے جاتی رہے اور اس چیز پر اتراؤ نہیں جو تمہیں عطا فرمائے ۴۹؎۔ اللہ اترانے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۵۰؎

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

۲۴ جو بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کیلئے کہتے ہیں۔ ۵۱؎ (اس نصیحت سے) جو رخ پھیرے گا تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ ۵۲؎

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ
وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

۲۵ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔ ۵۳؎ اور ان کے ساتھ کتاب ۵۴؎ اور میزان ۵۵؎ نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں ۵۶؎، اور لوہا اُتارا جس میں زبردست خوفنا کی ہے اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی ۵۷؎۔ یہ سب اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ ۵۸؎ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا اور غالب ہے۔ ۵۹؎

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی ۶۰؎۔ تو ان میں سے کچھ لوگوں نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے فاسق ہو گئے۔ ۶۱؎

۴۴؎ یعنی دنیا کی دولت کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کے بجائے اللہ کی مغفرت اور جنت کے لئے بازی لے جانے کی کوشش کرو کہ اصل چیز اللہ کے عذاب سے محفوظ رہنا اور جنت میں داخل ہو جانا ہے۔

جنت کی وسعت سے مراد اس کی پہنائیاں ہیں جو آسمان و زمین کی پہنائیوں کی طرح ہوں گی۔ یعنی جنت کوئی محدود جگہ نہیں ہوگی بلکہ ایک وسیع عالم ہوگا جس کی سیر آسانی کے ساتھ اہل جنت کر سکیں گے اور اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت کے جلوے انہیں ہر جگہ دکھائی دیں گے جو ان کے لئے سرور اور لذتِ دید کا باعث ہوں گے۔

۴۵؎ قرآن یہ نہیں کہتا کہ جنت تیار کی جائے گی بلکہ کہتا ہے کہ جنت تیار کی گئی ہے جس سے اس کے موجود ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

۴۶؎ یعنی یہ جنت اہل ایمان ہی کے حصہ میں آئے گی۔ کافروں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی۔

۴۷؎ زمین پر مصیبت نازل ہونے کی مثال قحط، سیلاب، طوفان وغیرہ ہے۔ اور نفس کو مصیبت پہنچنے کی مثال بیماریاں، جسمانی و قلبی تکلیف اور موت ہے۔

اس آیت میں قضا و قدر کے تعلق سے نہایت اہم بات ارشاد ہوئی ہے اور وہ یہ کہ مصیبت وہی پہنچتی ہے جو پہلے سے لکھ دی گئی ہے یعنی ٹھیک اللہ کے منصوبہ کے مطابق لہٰذا کسی مصیبت کے پہنچنے پر کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ یکایک نازل ہوئی ہے اور اس سے بچنا میری دسترس میں تھا۔

جو شخص قضا و قدر پر یقین رکھتا ہوگا وہ اپنی دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں خطرات سے گھبرائے گا نہیں اور جہاد کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینے میں تامل نہیں کرے گا۔

۴۸؎ یعنی تمام مصائب کو پہلے سے ضبطِ تحریر میں لانا اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے، جس ہستی کے اشارہ پر مصیبتیں نازل ہوتی ہوں اس کے لئے یہ کام کیا مشکل ہے کہ ان کی پہلے سے منصوبہ بندی کر کے ان کو ایک کتاب میں لکھ دیا جائے۔

۴۹؎ یعنی اس حقیقت سے جو مصیبت کے تعلق سے بیان ہوئی تمہیں اس لئے آگاہ کر دیا گیا ہے تاکہ کسی مصیبت کے پہنچنے پر تم افسوس نہ کرنے لگو کہ اس کو ٹالا جا سکتا تھا، اور کسی نعمت کے حاصل ہو جانے پر اترانے لگو کہ یہ ہماری اپنی قابلیت کا نتیجہ ہے۔ بلکہ مصیبت میں صابر اور نعمت کے پا جانے پر شاکر رہو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ توکل ہی انسان میں حوصلہ پیدا کرتا ہے اور اسے اپنی ذمہ داریوں کے ادا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

کسی مصیبت کے پہنچنے پر انسان کو فطرۃً صدمہ ہوتا ہے لیکن اگر وہ اس کو جزع فزع اور شکوہ شکایت کا ذریعہ نہیں بناتا اور صبر و ضبط کا دامن تھام لیتا ہے تو محض اس صدمہ کے پہنچ جانے پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

اسی طرح کسی نعمت کے حاصل ہو جانے پر انسان کو فطری طور سے خوشی ہوتی ہے لیکن اگر یہ خوشی اترانے کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو وہ مذموم ہے۔

۵۰؎ اس کی تشریح سورۂ لقمان نوٹ ۲۹؎ اور ۳۰؎ میں گزر چکی۔

۵۱؎ اترانا اور فخر کرنا تنگ ذہنیت پیدا کرتا ہے۔ ایسا شخص نہ دوسروں کے حقوق ادا کر پاتا ہے اور نہ انہیں ان سے صحیح ہمدردی ہوتی ہے۔ وہ مال جمع کر کے رکھتا ہے تاکہ اسے دوسروں پر برتری حاصل ہو اور وہ اپنی دولت پر فخر کر سکے۔

۵۲؎ یعنی اس نصیحت میں تمہارا اپنا فائدہ ہے ورنہ اللہ تمہاری کسی چیز کا بھی محتاج نہیں ہے اور تم اس کا شکر ادا کرو یا نہ کرو وہ بہترین صفات سے متصف اور لائق حمد ہی ہے۔

۵۳؎ ایسی نشانیاں جن سے واضح ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں یہ نشانیاں ان کی سیرت، ان کی زندگیوں اور ان کی تعلیمات میں بھی تھیں اور ان

معجزات میں بھی جو ان کو دیئے گئے تھے۔

۵۴۔ آسمانی کتاب جو ذریعہ ہدایت تھی۔ کتاب کا لفظ واحد ہے جو جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں۔

۵۵۔ میزان یعنی شریعت جو انفرادی و اجتماعی زندگی میں قیامِ عدل کا ذریعہ ہے اور جس سے عملی زندگی میں توازن پیدا ہوتا ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ رحمٰن نوٹ ۸۔

۵۶۔ عدل پر قائم ہونے کا مطلب انصاف اور راستی کا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ آدمی اپنے عقائد و اعمال میں بھی یہی طریقہ اختیار کرے اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی۔

اس آیت سے اجتماعی زندگی میں عدل کو قائم کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ یہ رسولوں کے مقاصد بعث میں سے ہے، اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام انسانی سوسائٹی کے لئے عادلانہ نظام قائم کرنے کا داعی ہے جو اللہ کی شریعت کو قائم کئے بغیر ممکن نہیں۔ حکومت، سیاست، معیشت، عدالت سب کو اللہ کے قانونِ عدل کا پابند ہونا چاہئے۔ یہ بات اسلام کے اجتماعی پہلو کو بھی نمایاں کرتی ہے اور اس کے وسیع تصورِ دین کو بھی۔

۵۷۔ ''لوہا اتارا'' لوہا پیدا کرنے کے معنی میں ہے جس طرح چوپایوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ ''ہم نے چوپائے اتارے'' جو پیدا کرنے ہی کے معنی میں ہے۔ پیدا کرنے کو نازل کرنے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ انسان میں یہ احساس ابھرے کہ لوہا اللہ کے حکم سے پیدا ہوا ہے اور اس کے عطا کرنے سے انسان کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے۔

لوہے میں زبردست خوفناکی (**بأس شدید**) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وہ قوت ہے جو جنگی مقاصد کے لئے ضروری تھی اس سے تلوار، توپ اور ٹینک جیسے اسلحہ تیار کئے جا سکتے ہیں جو دشمن کو خوف زدہ کرنے والے اور اس کا زور توڑ دینے والے ہیں اسی طرح مجرمین کو سزا دینے کیلئے بھی اس قوت کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں لوہا عام منفعت کی چیز ہے چنانچہ صنعت و حرفت میں اس کا استعمال عام ہے۔

۵۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے لوہا جس سے جنگی اسلحہ تیار کئے جاتے ہیں اسلئے مہیا کر دیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ کون ہے جو اس کو مقصدِ حق کیلئے استعمال کرتا ہے۔ یعنی اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور اسکے رسولوں کی حمایت و نصرت میں۔ گویا اس جنگی قوت کا اصل مصرف جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کے ذریعہ نظامِ عدل قائم ہوتا ہے۔

۵۹۔ ان صفات کو بیان کرنے سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنے دین کو چاہے تو اپنے تکوینی حکم کے ذریعہ بھی غالب کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کا موقع دے رہا ہے کہ اس کے دین کی حمایت و نصرت کر کے اور اس کو غالب کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرو کہ یہ اصل کامیابی ہے۔

۶۰۔ یعنی اس سلسلۂ رسالت میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں کہ ان کی نسل میں انبیاء بھی مبعوث ہوئے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ نبوت و کتاب کا سلسلہ ان دو رسولوں کی نسل ہی میں رہا چنانچہ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط سب حضرت نوح ہی کی نسل سے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم کی نسل کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ ان کی نسل کی دو شاخیں ہوئیں ایک بنی اسرائیل جن میں متعدد انبیاء مبعوث ہوئے اور تورات زبور اور انجیل بھی ان ہی میں نازل ہوئیں۔ دوسرے بنی اسمٰعیل جن میں محمد ﷺ آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور جن پر قرآن نازل ہوا۔

قرآن کی اس صراحت کے پیشِ نظر وہ قیاس آرائیاں غلط قرار پاتی ہیں جو مختلف شخصیتوں کے نبی ہونے کے بارے میں کی جاتی ہیں جب کہ ان

شخصیتوں کا زمانہ حضرت ابراہیم کے بعد کا رہا ہے اور ان کا حضرت ابراہیم کی نسل سے ہونا ثابت بھی نہیں۔

۶۱۔ یعنی ان دونوں رسولوں کی نسل میں راہِ ہدایت اختیار کرنے والے کم ہی نکلے اور بڑی تعداد فسق (نافرمانی) میں مبتلا رہی۔

آج نبی ﷺ کی امت کا بھی یہی حال ہے۔ان میں راہِ ہدایت پر چلنے والے کم ہیں اور بڑی تعداد فسق و فجور میں غرق ہے جب کہ قرآن کی روشنی ان کی رہنمائی کے لئے موجود ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ
وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ
اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ
اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر اور رسول بھیجے اور پھر عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا اور اس کو انجیل عطا کی ۶۲ ۔ اور جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور رحم ڈال دیا ۶۳ ۔ اور رہبانیت کا نیا طریقہ انہوں نے خود نکالا ۔ ہم نے اُسے، ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے یہ بدعت نکالی پھر اس کی رعایت نہ کر سکے جیسا کہ رعایت کرنے کا حق تھا ۶۴ ۔ تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کا اجر ہم نے انہیں عطا کیا ۶۵ ۔ مگر ان میں زیادہ تر لوگ فاسق ہیں۔ ۶۶ ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ
كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا
تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ ۶۷ ۔ وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا۔ ۶۸ ۔ اور تمہیں نور عطا کرے گا جس کے ساتھ تم چلو گے اور تمہاری مغفرت فرمائے گا۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحیم ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

۲۹ تاکہ نہیں ۶۹ ۔ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ۷۰ ۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۶۲۔ یعنی اخیر میں عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا کی تا کہ اس کے ذریعہ ہدایت پائیں۔ واضح رہے کہ یہ انجیل اب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے البتہ اس کے متفرق اجزاء اناجیلِ اربعہ (متی، لوقا، مرقس، اور یوحنا) میں پائے جاتے ہیں۔

۶۳۔ رافۃ یعنی دل کی نرمی اور رحمۃ یعنی مہربان ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں یہ دو وصف نمایاں تھے۔ ان کی مسیحائی سے خلقِ خدا سے ہمدردی کرنے اور اس پر رحم کرنے کا جذبہ ابھرتا تھا۔ اس کے اثرات ان کے پیروؤں پر بھی پڑے اور ان میں بھی شفقت و رحمت کے جذبات پیدا ہوئے۔ یہ جذبات اپنے معروف حدود میں مطلوب تھے مگر انہوں نے اس میں غلو کر کے خانقاہیت اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں جہاد معطل ہو گیا۔

حدود (تعزیری قوانین) کے نفاذ کے معاملہ میں نرمی برتنے سے منع کر دیا گیا ہے:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ۔ (نور:۲)

''اور اللہ کے دین کے معاملہ میں تم کو ان پر ترس نہ آئے۔''

اور لوہے (اسلحہ) کا استعمال عدل قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جہاد بھی اشد ضروری ہے۔ یہ سب کام سختی کے ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے کترا کر نرمی اور رحم کے دائرہ میں اپنے کو محصور کر لینا راہِ اعتدال سے ہٹ جانا ہے۔ دین نے ایک طرف فطری جذبات کی پرورش کا سامان بھی کیا ہے اور دوسری طرف اجتماعی مصالح اور غلبۂ دین کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے ایک پہلو کو لینے اور دوسرے پہلو کو نظر انداز کرنے سے افراط و تفریط کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

۶۴۔ رہبانیت سے مراد تعبد (عبادت گزاری) کا وہ طریقہ ہے جو نصاریٰ نے ایجاد کیا تھا یعنی دنیا کے مشاغل اور اس کی لذتوں کو ترک کر کے گوشۂ نشینی اختیار کر لینا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے تجرد کی (غیر ازدواجی) زندگی اختیار کی اور پہاڑوں، غاروں اور خانقاہوں میں رہنے لگے۔ تعبد میں ان کا یہ غلو تھا جس نے ان کو فطری تقاضوں کو بھی پورا کرنے نہیں دیا اور دینی تقاضوں کو بھی پورا کرنے سے روکا خاص طور سے جہاد فی سبیل اللہ اور کفر و اسلام کی کشمکش میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے گریز اختیار کیا۔ قرآن ان کے اسی طریقہ کو بدعت قرار دے رہا ہے اور صاف کہہ رہا ہے کہ تعبد کا یہ طریقہ اللہ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے یہ نیا طریقہ رائج کر دیا۔ اس طرح انہوں نے تعبد کے معاملہ میں اپنے کو ایسی مشقت میں ڈال دیا جس کو وہ سہار نہ سکے۔ گو انہوں نے یہ طریقہ اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اختیار کیا تھا لیکن بدعت، بدعت ہے خواہ وہ نیک نیتی کے ساتھ کیوں نہ کی گئی ہو۔ قرآن رہبانیت کو بدعت قرار دیتا ہے اور اس کی مزید مذمت اس پہلو سے بھی کرتا ہے کہ اس کو وہ پوری طرح نبھا نہ سکے۔ یعنی دنیا سے قطع تعلق کا یہ طریقہ ایجاد کرنے کو تو انہوں نے ایجاد کر لیا لیکن پھر وہ اس پر کاربند نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے جب فطرت کے خلاف کوئی جنگ کرتا ہے تو فطرت اس سے جنگ کرتی ہے اور رہبانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ شادی بیاہ سے نفرت کرنے والے بدکاری کا شکار ہو گئے اور راہبوں اور راہبات کے میل جول نے خانقاہوں کو بدکاری کے اڈوں میں تبدیل کر دیا۔ اسی طرح جب انہوں نے کسبِ معاش کے جائز طریقے چھوڑ دئے تو حرام خوری ان میں عام ہو گئی۔ سورۂ توبہ آیت ۳۴ میں احبار و رہبان (اہلِ کتاب کے علماء اور راہبوں) کی اس مذموم حرکت کا ذکر ہوا ہے کہ وہ باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

ہندوستان کے مشرکوں میں بھی ترک دنیا اور تپسیا کا تصور چلا آ رہا ہے۔ اس طریقہ کو جنہوں نے اختیار کیا وہ سادھو اور جوگی کہلائے۔ ترکِ زینت میں انہوں نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ اپنے لباس بھی اتار پھینک دئے۔ پھر مندروں میں ان کی خدمت کے لئے ''دیوداسیاں'' بھی رہنے لگیں نتیجہ یہ کہ وہ بُری طرح بے حیائی، بدکاری اور حرام خوری میں مبتلا ہو گئے، ترک دنیا کی آڑ میں یہ صریح دنیا پرستی ہے۔

مسلمانوں میں بھی تصوف کی راہ سے خانقاہیت آ گئی جس میں گوشہ نشینی، مراقبے۔ ریاضتیں اور نفس کشی جیسی چیزیں شامل تھیں۔ پھر جب انہوں نے طریقت کو ایجاد کیا تو اس نے شریعت کی جگہ لے لی۔ اس طرح دین میں بدعات کی بھر مار ہوئی اور اس کا حلیہ ہی بگڑ کر رہ گیا۔

حالانکہ حدیث میں ہر نئی بات کو جو دین میں نکالی جائے مردود قرار دیا گیا تھا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ (بخاری کتاب الصلح)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالے جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَ کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔

''اور بدترین باتیں وہ ہیں جو نئی نکالی جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (مسلم کتاب الجمعۃ)

اس حدیث میں ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے مگر علماء کے ایک گروہ نے بدعت کی دو قسمیں حسنہ (اچھی) اور سیئہ (بُری) قرار دے کر بہت سی بدعتوں کے لئے راہ ہموار کر لی اور آج امت کا بہت بڑا طبقہ بدعات کی گمراہیوں میں پھنسا ہوا ہے۔

۶۵۔ یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروؤں میں جو لوگ صحیح العقیدہ اور اپنے ایمان میں مخلص تھے ان کو ان کے عمل کے لحاظ سے اجر عطا کیا۔

آگے کے فقرہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اجر سے نوازے گئے فاسق نہیں تھے بلکہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔

۶۶۔ یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروؤں کی کثیر تعداد فسق (گناہ اور نافرمانی) میں مبتلا ہے۔ جس کی بہت بڑی وجہ دین کی مخلصانہ پیروی نہ کرنا اور اس میں نت نئی باتیں (بدعتیں) نکالنا ہیں۔

آج مسلمانوں کا حال بھی یہی ہے کہ ان میں سے اکثر فسق میں مبتلا ہیں اور دین کی مخلصانہ پیروی کرنے والے کم ہی ہیں۔

۶۷۔ یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جو حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ جب تم ایمان کے دعویدار ہو تو اس رسول (محمد ﷺ) پر بھی ایمان لاؤ۔ ایسی صورت ہی میں تمہارا ایمان معتبر ہوگا۔

۶۸۔ رحمت کا ایک حصہ اس بنا پر کہ تم پہلے بھی ایمان لائے تھے اور دوسرا حصہ اس لئے کہ پیغمبر قرآن (محمد ﷺ) پر بھی ایمان لائے۔ سورۂ قصص آیت ۵۳، ۵۴ میں ہے:

وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ۔

''اور جب یہ (قرآن) ان کو سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ بلاشبہ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم پہلے ہی سے مسلم ہیں۔''

اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کا اجر دو بار دیا جائے گا، اس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے۔ وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

اور حدیث میں آتا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے لئے دوہرا اجر ہے جن میں سے ایک:

رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ۔ (بخاری، مسلم)

''اہل کتاب میں سے وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا تھا اور محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا۔''

٦٩۔ یہ 'لاَ' (نہیں) تردید میں مزید تاکید کیلئے ہے۔جس طرح اردو میں بولتے ہیں نہیں نہیں۔

٧٠۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔اس لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تا کہ اہلِ کتاب پر واضح ہو جائے کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں رسالت کا جو سلسلہ چلا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس خاندان کی کوئی اجارہ داری ہے۔حقیقت یہ ہے کہ رسالت کا منصب اللہ کا فضل ہے اور وہ پوری طرح اسی کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔اس سے پہلے اس کی مشیت بنی اسرائیل میں رسول بھیجنے کے لئے ہوئی اور اب اسکی مشیت یہ ہوئی کہ بنی اسمٰعیل میں سے رسول اٹھایا جائے۔اس کی مشیت پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔وہ جسے چاہے رسالت کا منصبِ جلیل عطا کرے اور جس گروہ کو چاہے اپنے اس فضل سے نوازے کہ رسول اس کے اندر سے برپا کیا گیا۔